عرفانِ عزا
تالیف
سید علی اصغر عباس زیدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُمَّ كُنْ لِوَلِيِّكَ الْحُجَّة بْنِ الْحَسَنِ صَلَواتُكَ عَلَيْه وَعَلى آبائِهِ في هذِهِ السّاعَة وَفي كُلِّ ساعَة وَلِيّاً وَحافِظاً وَقائِداً وَناصِراً وَدَليلاً وَعَيْناً حَتّى تُسْكِنَه اَرْضَكَ طَوْعاً وَتُمَتِّعَه فيها طَويلاً۔

فہرست

انتساب

ہم اس حقیر سی کوشش کو تمام منتظرین اور عشاقِ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی طرف سے اور تمام ماتمداران، زنجیرزن، اور قمہ زنوں کی طرف سے بارگاہِ ملکوتیِ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف میں ہدیتاً پیش کرتے ہیں۔

گو کہ یہ ہدیہ اور تحفہ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرج کی شایانِ شان نہیں ہے لیکن مالکِ زمانہؑ اپنی نظرِ کرم فرماتے ہوئے اس کو قبول فرمائیں اور اس کے اجر کے طور پر اپنےؑ ظہورِ مقدس میں تعجیل فرمائیں۔۔

اور ہم سب کو اپنے خالص اعوان و انصار میں شامل فرمائیں۔

یا مالکِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرج آمین!

خاک پائے منتظرِینِ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرج

سید علی اصغر عباس زیدی

مقدمہ

ہم نے اپنی اس مختصر سی کتاب میں اہمیتِ عزاداری اور اُسکے واجب ولازم ہونے کو قرآن واحادیث سے ثابت کرنے اور عزاداری حقیقتاً نصرتِ آلِ محمدؐ اور نصرتِ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ہے اور تجمیعِ انصار کا مقام ہے۔ چونکہ عزاداری نصرتِ امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف اور نصرتِ آلِ محمدؐ ہے اس لئے بھی یہ لازم ہے یہ ثابت کرنے کی ایک ادنیٰ سی کوشش کی ہے اور اپنے علم ومعرفت وشعور کے مطابق مقصدِ عزا اور مقاصدِ شہادتِ عظمیٰؐ پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس میں کوئی علمی، فکری، عرفانی، روحانی، شعوری کسی قسم کی بھی کمی رہ گئی ہو تو صاحبانِ علم ومعرفت سے رہنمائی کا اور معافی کا طلبگار ہوں۔

باب اول:

"عزاداری""المودت فی القربیٰ"

سورہ الشوریٰ میں ارشاد ہوا:

قُلْ لَّآ اَسْـــَٔـــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى ۖ–وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ۖ–اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ

ترجمہ: اے رسولؐ اپنے تمام مخاطبوں سے کہہ دو کہ میں تم سے اس عظیم الشان فضل و کرم کیلئے کوئی اجر اس کے علاوہ نہیں مانگتا کہ تم القربیٰؑ (یعنی ہر قسم کی قربت رکھنے والوںؑ سے) اَلمودۃ (یعنی ہر قسم کی محترم و باوقار وابستگی اختیار کرلو) اور جو شخص اس والہانہ وابستگی کے علاوہ اور نیکیوں کا اکتساب بھی کرے گا ہم اُس کے اس اکتساب میں حُسن کا مزید اضافہ کردیں گیں یقیناً اللہ تحفظ عطا کرنے والا قدردان ہے۔

آیتِ مودۃ میں استعمال ہونے والے تین اہم الفاظ کے معانی بیان کرنا ضروری ہیں:

1: اَجر:–اَجر با معنیٰ اُجرت، اَجِر یعنی (اُجرت دینے والا یعنی عزادار و موالی ہیں) اور اَجِیر یعنی (اُجرت لینے والے یعنی محمدؐ و آلِ محمدؑ) کے درمیان معاملہ کا نام عزاداری ہے۔

☆ (یہ اجر کس حقیقت کے بدلے ادا کرنا واجب و لازم ہے آگے چل کر واضح کریں گے)

2: اَلمَوَدۃ:- لفظِ **المودۃ** کی اصل **وُدّ** ہے اسی سے اللہ کا نام "**الوَدُود**" ہے۔

المودۃ پر ا،ل مکمل اور ہر قسم کی محترم و باو قار محبت و وابستگی اختیار کرنے کو بیان کر رہا ہے، مودہ یعنی پسندیدہ محبت والی وابستگی جو حُسنِ کردار اور حُسنِ عمل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے اس لئے یہ ایک اختیاری چیز ہے، ہم اسے ترقی دے سکتے ہیں کم کر سکتے ہیں اور ختم بھی کر سکتے ہیں۔

3: اَلقُربیٰؑ: القربیٰ قُربت سے ہے اور الف، لام قُربی پر داخل ہے جو اسے ایک ہمہ گیر صفت بنا رہا ہے یعنی جو ہمہ گیر قربت (القربیٰ) کے حامل ہیں یعنی محمد و آلِ محمدؑ کو ہر قسم کی قُربت حاصل ہے وہ قربِ خداوندی میں سب سے قریب ہیں یا یوں کہیئے اُنؑ کا قرب ہی قربِ خدا ہے اُنؑ کی مودت واجب و فرض ہے (اجر، المودہ اور القربیٰ کی مزید تفصیل ہم بعد میں بیان کریں گیں)

مودت فی القربیٰ میں سب سے بڑھ کر اُجرت جو ہم نے ادا کرنی ہے وہ **عزادارِی حسینؑ** مظلوم ہے۔

☆ جاننا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مذہبِ شیعہ کی تمام جڑوں کی جڑ یعنی اصل اصول، اساس، اس کی روح، اس کا مقصد، اس کی منزلِ مراد، اسکا اول، اسکا آخر، اسکا ظاہر، و باطن صرف اور صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے "**محبت**" (بظاہر یہاں ہم نے بات کو اپنے اصل مقصد کی طرف لے جانے کیلئے لفظِ محبت کو سامنے رکھا ہے لیکن حقیقت میں ہمارا سفر المودت کی طرف ہے اور محبت و مودت کے درمیان پائے جانے والے فرق کو ہم آگے جا کر بیان کریں گے)

جیسے کہ حدیث ہے رسولؐ نے فرمایا:

هَلِ اَلدِّينُ إِلاَّ اَلْحُبُّ وَ اَلْبُغْضُ [1،2]

ترجمہ: محبت و دشمنی کے علاوہ دین کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

یعنی محمد و آلِ محمدؐ سے محبت کرنا اور اُن کے دشمنوں کو دشمن رکھنا ہی اصل دین ہے باقی جو کچھ ہے وہ اسی محبت و دشمنی کا اظہار ہے۔

آیتِ مودت سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہؐ نے پورا دین دنیا تک پہنچانے کے بعد جو اجر طلب کیا وہ کچھ اور نہیں بلکہ صرف محبت یا المودۃ محمد و آل محمدؐ ہے یہی محبت و المودۃ ہی اصل دین ہے اور اسکے بغیر باقی تمام چیزیں صرف اسی صورت میں فائدہ پہنچا سکتی ہیں جب ان کی بنیاد محبت و المودۃ محمد و آلِ محمدؐ ہو۔

☆ ایک اور مقام پر جب کسی نے مولا امام جعفر صادقؑ سے محبت و بغض کا ایمان سے تعلق کے متعلق پوچھا تو امامؑ نے جواب دیا:

---

[1] تفسیر نسیم رحمت جلد 2 صفحہ 148

[2] کتاب محبت صفحہ 497

الإمام الصادق (عليه السلام) – لما سئل عن الحب و البغض، أمن الإيمان هو؟ وهل الإيمان إلا الحب و البغض؟[21]

ترجمہ: سائل نے مولا امام جعفر صادقؑ سے محبت و دشمنی کے بارے میں سوال کیا کہ ایمان سے اُن کا کیا تعلق ہے؟ مولاؑ نے فرمایا: "محبت و دشمنی کے علاوہ ایمان کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

☆ حقیقت یہ ہے کہ اس پوری کائنات کو محبت ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے اور اسکا انجام بھی محبت پر ہی ہونا ہے یعنی محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت والمودۃ پر جیسے کہ حدیثِ قدسی سے بہت سے اسرار و رموز کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مقصدِ خلقتِ کائنات کیا ہے:

---

[1] میزان الحکمت، محمد الریشھري، جلد 1، صفحہ 503

[2] کتاب محبت صفحہ 498

"كنت كنزا مخفيا فأحببت أن أعرف فخلقت الخلق"[1]

ترجمہ: میں ایک مخفی خزانہ تھا مجھے **محبت** ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں، تو میں نے تخلیق کا آغاز کر دیا۔

☆اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے "اے محمد و آلِ محمدؐ میں نے پوری کائنات کو تمہاری محبت میں پیدا کیا ہے اگر تم نہ ہوتے تو میں کسی شے کو پیدا ہی نہ کرتا۔

☆حدیثِ کساء کے یہ جملے بھی اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں:

فقال الله عزّ و جلّ يا ملائكتي و يا سكّان سماواتي إنّي ما خلقت سماء مبنيّة و لا أرضا مدحيّة و لا قمرا منيرا و لا شمسا مضيئة و لا فلكا يدور و لا بحرا يجري و لا فلكا يسري إلاّ في محبّة هؤلاء الخمسة الذين هم تحت الكساء

ترجمہ: "اے میرے ملائکہ اور اے آسمانوں میں رہنے والی مخلوق قسم ہے مجھے اپنی عزتؐ و جلالؐ کی نہ میں نے مستحکم آسمانوں کو بنایا نہ زمین کو بچھایا نہ چمکتے ہوئے چاند کو اور نہ روشن سورج کو نہ فلک کو جو رواں ہے نہ

[1] اصول کافی جلد 1 صفحہ 109

دریا کو جو جاری ہے اور نہ کشتی کو جو رواں دواں ہے پیدا کیا مگر ان پانچوںؑ کی محبت میں جو اس چادر کے نیچے ہیں۔"

ہم نے آغاز کا جائزہ تو لے لیا ہے، اب ہم انجام پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جنت و جہنم کا فیصلہ کس بات پر ہوتا ہے۔

یہاں سے پتا چلتا ہے کہ خلقتِ کائنات کی بنیاد محبتِ محمد و آلِ محمدؐ ہے اس محبت کے علاوہ کائنات کی کوئی حقیقت نہیں۔

☆قال: معاشر الناس ما أحبّنا رجل دخل النار، و لا أبغضنا رجل دخل الجنّة، و أنا قسيم الجنّة و النار، هذه إلى الجنّة يمينا، و هم [من] محبّى، و هذه إلى النار شمالا و هم [من] مبغضى، ثمّ انّ يوم القيامة أقول لجهنّم: هذا لى و هذا لک حتى تجوز شيعتى على الصراط كالبرق الخاطف، و الرعد العاصف، و الطير المسرع

امیر المومنینؑ فرماتے یں: لوگوں! سن لو! ہماراؑ محب دوزخ میں نہیں جائے گا اور ہماراؑ دشمن جنت میں نہیں جائے گا۔ میںؑ ہی جنت و دوزخ کو تقسیم کرنے والا ہوں۔ دائیں ہاتھ والے میرے محب ہوں گے اور بائیں ہاتھ والے میرےؑ دشمن ہوں گے اور میںؑ قیامت کے دن دوزخ کے کنارے پلِ صراط پر کھڑا ہو کر کہوں

دوزخ سے کہوں گا: یہ میرا ہے اور یہ تیرا ہے۔ اسے پکڑ لے اور میرے شیعہ پلِ صراط سے بجلی کے کوندے، رعد کی کڑک تیز پرندے اور تیز رفتار گھوڑے کی رفتار سے گزریں گے۔[1]

پس جنت و دوزخ کی تقسیم بھی محبت ہی کی بنیاد پر ہونی ہے۔ گویا ہمارا آغاز بھی محبت اور ہمارا انجام بھی محبت۔ اب اس آغاز اور انجام کے درمیانی وقفے میں اگر کوئی شخص محبت و مودتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ سے غافل رہے گا تو اسے اپنا انجام اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

یعنی آغازِ حیات سے انجامِ حیات تک زندگی صرف ذکرِ محمد و آلِ محمدؐ اور محبتِ محمد و آلِ محمدؐ ہے چاہے ذکر، فکر، عبادات و عزاداری کی صورت میں ہو اصل دین ہے۔

مولاؑ سے کسی نے پوچھا مولاؑ زندگی کیا ہے؟

مولاؑ نے فرمایا: هل العيش إلا هذا؟[2]

کیا ہماریؑ یاد کے علاوہ بھی زندگی کوئی چیز ہے؟

---

[1] معجزاتِ آلِ محمد جلد 1 صفحہ 167، اردو ترجمہ مدینتہ المعاجز (سید ہاشم البحرانی)

[2] القطرہ من بحار اردو جلد 4 صفحہ 144

اور حضرت جبرائیلؑ نے عقدِ علی وسیدہؑ کے خطبہ پڑھتے وقت بھی اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ

وجعل حياتنا ذكر آل محمد[1]

ترجمہ: اور ذکرِ آل محمدؐ کو اللہ نے ہماری زندگی بنایا۔

☆ مقصدِ خلقت وحیات کی طرف یہ روایت بھی اشارہ کرتی ہے:

روي أنه لما أخبر النبي صلى الله عليه وآله ابنته فاطمة بقتل ولدها الحسين وما يجري عليه من المحن بكت فاطمة بكاء شديدا، وقالت: يا أبت متى يكون ذلك؟ قال: في زمان خال مني ومنك ومن علي، فاشتد بكاؤها وقالت: يا أبت فمن يبكي عليه؟ ومن يلتزم بإقامة العزاء له؟

فقال النبي: يا فاطمة إن نساء أمتي يبكون على نساء أهل بيتي، ورجالهم يبكون على رجال أهل بيتي، ويجددون العزاء جيلا بعد جيل، في كل سنة فإذا كان القيامة تشفعين أنت للنساء وأنا أشفع للرجال وكل من بكى منهم على مصاب الحسين أخذنا بيده وأدخلناه الجنة يا

---

[1] امام الکلام صفحہ 29

فاطمة! كل عين باكية يوم القيامة، إلا عين بكت على مصاب الحسين فإنها ضاحكة مستبشرة بنعيم الجنة[1]

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہؐ نے سیدہِ کائناتؑ کو امام حسینؑ پر گزرنے والے حالات اور قتل کی خبر دی تو آپؑ بہت شدت سے روئیں اور پوچھا کہ باباؐ یہ کس زمانے میں ہونے والا ہے؟

فرمایا کہ اُس وقت نہ میںؐ ہوں گا، نہ تمؑ اور نہ علیؑ اور نہ ہی حسنؑ ہونگے یہ سُن کر سیدہؑ کی گریہ وزاری میں اور بھی شدت ہو گئی پھر سیدہؑ نے پوچھا کہ ایسے حال میں حسینؑ کا غم کون منائے گا اور کون عزاداری کرے گا؟**(نوٹ:-اگر عربی عبارت پر غور کیا جائے تو فرمایا ومن يلتزم بإقامة العزاء له یعنی کس پر لازم ہو گا یا کس کے ذمہ ہو گا کہ حسینؑ کیلئے عزاداری قائم کرے)**

رسول اللہؐ نے فرمایا کہ بیٹیؑ میری اُمت کی عورتیں ہماری عورتوں کا غم وسوگ منائیں گیں اور مرد ہمارے مردوںؑ پر رویا کریں گیں اور سال بسال اور زمانہ بہ زمانہ عزاداریِ حسینؑ کی تجدید کرتے ہوئے اِس غم کو بالکل تازہ رکھیں گیں۔

(نوٹ:-یعنی اُمتی ہے ہی وہ جو ہر سال عزاداری کو اپنی ذمہ داری اور خود پر لازم سمجھ کر عزا کو قائم کرے گا)

[1] بحار الانوار جلد 44 صفحہ 293

اور تمؑ تمام عزادار عورتوں کی اور میںؑ تمام سوگوار مردوں کی قیامت میں شفاعت کریں گیں اور جو کوئی بھی حسینؑ کی مصیبت پر رویا ہو گا اُن کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر جنت میں داخل کریں گیں۔ اے میری بیٹیؑ قیامت کے روز ہر آنکھ خوف سے روتی ہو گی لیکن وہ آنکھیں جو حسینؑ کے غم میں روئی ہوں گیں خوشخبری سُن سُن کر مسکراتی ہوں گیں اور جنت کی نعمتوں پر ہنستی ہوں گی۔

☆"محبت ومودتِ محمد و آلِ محمدؑ عبادت وافضل ترین عبادت ہے"

جب ہم مندرجہ بالا بیان سے مقصدِ خلقت وحیات محبت والمودتِ محمدؐ و آلِ محمدؑ اور عزاداریِ محمدؐ و آلِ محمدؑ ثابت کر چکے ہیں اب ذرہ اس آیت پر بھی ایک نظر کرتے چلیں:

وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالاِنسَ اِلَّا لِیَعبُدُون [1]

ترجمہ:- نہیں خلق کیا میں نے جن وانس کو سوائے اسکے کہ وہ میری عبادت کریں۔

☆عزادار اور موالیانِ حیدرِ کرارؑ ہی عبادت گزار ہیں کیونکہ محمد و آلِ محمدؑ کا ذکر، محبت، انتظار، عزاء، گریہ و ماتم ونوحہ ہی عبادت ہے۔

چند احادیث دلیل کے طور پر یہاں پیشِ خدمت ہیں:

---

[1] سورہ الزاریات آیت 56

1:رسول اللہؐ نے فرمایا: النظر إلى وجه علي عبادة[1]

ترجمہ: علیؑ کے چہرے کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

2:رسول اللہؐ نے فرمایا: ذکر علی عبادة[2]

ترجمہ: علی کا ذکر عبادت ہے۔

3:رسول اللہؐ نے فرمایا:حب علیؑ عبادة[3]

ترجمہ: علیؑ کی محبت عبادت ہے۔

4: حب علي بن أبي طالب سيد الأعمال[4]

ترجمہ: علیؑ کی محبت تمام اعمال کی سردار ہے۔

---

1 بشارة المصطفی لشیعہ المرتضی صفحہ 100

2 فردوس الاخبار جلد 2 صفحہ 367

3 بشارة المصطفی لشیعہ المرتضی صفحہ 142

4 القطرہ من بحار جلد 2 صفحہ 39

نوٹ: عزاداروں اور محبین کو بے عمل کہنے والے ذرہ غور کریں اس حدیث پر کے محبت صرف عمل نہیں بلکہ تمام اعمال کی سردار ہے۔

5: الإمام الرضا (عليه السلام): ليست العبادة كثرة الصلاة والصوم، إنما العبادة التفكر في أمر الله[1]

ترجمہ: مولا رضاؑ فرماتے ہیں: عبادت زیادہ روزے رکھنے اور نمازیں پڑھنے کا نام نہیں!!!! بلکہ عبادت اللہ کے امر میں غور و فکر کا نام ہے۔

6: الإمام الصادق (عليه السلام): إن فوق كل عبادة عبادة، وحبنا أهل البيت أفضل عبادة[2]

ترجمہ: مولا صادقؑ نے فرمایا: ہر عبادت سے افضل ایک عبادت ہے اور ہم اہلبیتؑ کی محبت افضل ترین عبادت ہے۔

[1] میزان الحکمت، محمد الریشهری، جلد 3 صفحہ 2464

[2] بحار الانوار جلد 27 صفحہ 91

7: حب آل محمد یوما خیر من عبادة سنة، و من مات علیه دخل الجنة[1]

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: آل محمدؐ کے ساتھ ایک دن کی محبت ایک سال کی عبادت سے افضل ہے جو کوئی بھی آل محمدؐ کی محبت کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو اوہ جنت میں داخل ہو گا۔

8: القاسم بن محمد عن جده الحسن عن المفضل عن أبي عبد الله علیه السلام قال: من أحب أهل البیت وحقق حبنا في قلبه جرى ینابیع الحكمة على لسانه وجدد الایمان في قلبه وجدد له عمل سبعین نبیا وسبعین صدیقا وسبعین شهیدا وعمل سبعین عابدا عبد الله سبعین سنة[2]

ترجمہ: جو کوئی ہم اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہو اور ہماریؑ محبت کو اپنے دل میں مضبوط کرلے تو اسکی زبان پر حکمت کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور اسکے دل میں ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اسکے لئے ستر صدیقوں، ستر شہیدوں اور ستر ایسے عبادت گزاروں کا عمل لکھ دیا جاتا ہے جنہوں نے ستر سال اللہ کی عبادت کی۔

---

[1] بحار الانوار جلد 27 صفحہ 104

[2] بحار الانوار جلد 27 صفحہ 90

9: عن أبي عبد الله جعفر بن محمد عليهما السلام قال: نفس المهموم لظلمنا تسبيح، وهمه لنا عبادة، وكتمان سرنا جهاد في سبيل الله[1]

ترجمہ: وہ سانس جو ہمارے غم اور مظلومیت میں لی جائے تسبیح ہے اور اسمیں بے چین ہونا عبادت ہے اور ہمارے راز کو پوشیدہ رکھنا سبیل اللہ میں جہاد ہے۔

نوٹ: اس حدیث کی رو سے عزادار! تسبیح گزار بھی ہے، عبادت گزار بھی ہے اور راہِ ولایت میں مجاہد بھی ہے۔

10: رسول الله (صلى الله عليه وآله): أفضل العبادة انتظار الفرج[2]

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: تمام عبادتوں سے افضل امامِ زمانہؑ کا انتظار ہے۔

11: امام محمد باقر فرمود: نوحہ سرائی بر حسین افضل عبادات است[3]

ترجمہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا: مولا حسینؑ پر نوحہ خوانی کرنا عبادات میں سے افضل ترین عبادت ہے۔

---

[1] الامالی الشیخ المفید صفحہ 338

[2] میزان الحکمۃ جلد 1 صفحہ 182

[3] البکا للحسین صفحہ 107

نوٹ:- حدیث نمبر 11،10،6 سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ محبتِ محمد و آلِ محمدؐ انتظارِ قائمؑ اور عزاداریِ سید الشہداؑ تمام عبادات وواجبات سے زیادہ افضل وضروری ہیں۔ اب چاہے وہ نماز، روزہ، حج، زکوۃ ہی کیوں نہ ہو۔

اور مجلس وماتم کو چھوڑ کر جو اشخاص نماز میں مصروف ہو جاتے ہیں ان کو ذرا عقل سے کام لیتے ہوئے یہ سوچنا چاہیئے کہ افضل عبادت کے ہوتے ہوئے مفضول عبادت نہیں کی جاتی یعنی اعلیٰ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی طرف جانا کم عقلی ہوا کرتی ہے۔

دلیل کے طور پر "عقل کی تعریف مولا رضاؑ کی زبانی سنتے چلیں"

☆عقل کیا ہے؟

امام رضاؑ ایک روز مامون کے دربار میں تشریف فرما تھے جہاں بہت سے علماء سوجمع تھے اور عقل کے موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک طویل بحث ومباحثہ کے بعد بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ "عقل وہ ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز قائم کرے" مامون نے امامؑ سے عرض کی کہ اے فرزندِ رسولؐ! آپ نے یہ گفتگو سنی، اب آپؑ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: عقل وہ نہیں جو نیکی اور بدی میں تمیز قائم کرے، کیونکہ جانور بھی اپنے بھلے اور برے کو جانتے ہیں (مثلاً اگر کسی گدھے کے سامنے سوکھی اور ہری گھاس رکھ دی جائے تو وہ سوکھی گھاس کو چھوڑ کر ہری گھاس کھائے گا) بلکہ عقل وہ ہے جو یہ تمیز کرے کہ دونیکیوں میں سے بڑی نیکی کون سی ہے اور

چھوٹی نیکی کون سی۔ اور دو برائیوں میں یہ تمیز کرے کہ بڑی برائی کون سی ہے اور چھوٹی برائی کون سی۔ یہ سن کر تمام علماء سوء ششدر رہ گئے اور فرمانِ امامؑ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ مامون نے کہا کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے اب مجلس برخواست ہوئی اور امامؑ باہر تشریف لائے تو آپؑ کے خادم نے کہا آقا! آج تو آپ نے ان تمام لوگوں کی زبانوں پر تالے لگا دیئے۔ امامؑ نے فرمایا" مگر اب بھی میں ؑنے عقل کی صحیح تعریف انہیں نہیں بتائی" خادم نے عرض کیا کہ مولاؑ مجھے تو بتا دیجئے۔

امامؑ نے فرمایا" عقل وہ ہے جس سے انسان اپنے ہادی (امامِ وقتؑ) کی معرفت حاصل کرے"[1]

نوٹ: یہاں ایک اور بات بھی نوٹ کرتے چلیں کہ شیعوں کی اکثریت مجالس و محافل اور عزاداری کو واجب ولازم نہیں سمجھتے یا نہیں مانتے! جبکہ ہم مندرجہ بالا کی بحث میں ثابت کرتے آئے ہیں کہ عزاداری تمام عباداتِ واجبہ سے بھی افضل ہے بلکہ المودۃ فی القربیٰ ہے کہ جس کو ادا کیے بغیر تمام اعمال و دین بے کار ہے لیکن پھر بھی مزید ثبوت کے طور پر کچھ احادیث نقل کرتے چلیں:

---

[1] کشف المودۃ صفحہ 42، 41

1:عَنْ أَبِي عَبْدِ اَللَّهِ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ قَالَ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّ اَلْبُكَاءَ وَ اَلْجَزَعَ مَكْرُوهٌ لِلْعَبْدِ فِي كُلِّ مَا جَزِعَ مَا خَلاَ اَلْبُكَاءَ عَلَى اَلْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ اَلسَّلاَمُ فَإِنَّهُ فِيهِ مَأْجُورٌ[1]

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ سے روایت کیا ہے کہ میں نے امامؑ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رونا اور گھبراہٹ آدمی کیلئے ناپسندیدہ ہے صرف حسینؑ پر رونا اور گریہ وزاری کرنا واجب ہے کیونکہ ان پر رونے میں عظیم اجر و ثواب ہے۔

2: قال الصادق صلوات الله عليه:ان لكل شى من الطاعات و العبادات ثوابا و درجه محصاه الا الدمعه فينا فان مثوباته و درجاته لا يحصيها الا الله[2]

ترجمہ: مولا امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: یقیناً تمام اطاعات اور تمام عبادات میں سے ہر شے کے ثواب کی اور درجات کی ایک حد ہے جو کہ معلوم ہے سوائے اُس آنسو کے جو ہم محمد و آلِ محمدؑ کیلئے نکلا اُس آنسو کے ثواب اور درجات کا شمار سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔

---

[1] کامل الزیارات باب نمبر 32 صفحہ 234 حدیث نمبر 2

[2] مقتل خطی بشارت الباکین (حسین بن عبد الرزاق تبریزی) ص 113

3:قال رسول الله: الجذبة من جذبات الحسین افضل من عبادة الثقلین[1]

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: حسینؑ میں یا حسینؑ کے ماتم میں جذب ہو کر ماتم کرنا ثقلین کی عبادت سے افضل ہے۔

نوٹ: مندرجہ بالا بیان کیے گئے حقائق کی افضلیت کا ایک رمز یہ بھی ہے کہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ رکھے جانے والا ہر رویہ اللہ کے ساتھ رکھے جانے والا رویہ ہے اور یہی دینِ حق ہے اس لئے اِنؑ سے محبت ہی اللہ سے محبت ہے! ثبوت میں چند احادیث دیکھیں۔

1: الإمام جعفر بن محمد الصادق علیه السلام أنه قال في حديث: والله ما أحبَّ اللهَ من أحبَّ الدنيا ووالى غيرنا، ومن عرف حقَّنا وأحبَّنا فقد أحبَّ الله تبارك وتعالى[2]

ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: اللہ کی قسم جو دنیا کا بھوکا ہے اور ہمارےؑ غیر سے وابستہ ہو جاتا ہے وہ اللہ کی محبت نہیں کر سکتا اور جس نے ہمارےؑ حق کو پہچان لیا ہے اور ہمؑ سے محبت کرتا ہے تو پس بالتحقیق وہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔

---

[1] الصراط المستقیم، ولایتِ علیؑ، عزاداریِ حسین فی مودت قربیٰ صفحہ 8

[2] اصول کافی جلد 8 صفحہ 129، عربی

2:مولا امام علی نقیؑ کی تعلیم دی ہوئی زیارت جامعہ میں آیا ہے:

مَنْ احَبَّکُمْ فَقَدْ احَبَّ اللّٰہَ، وَمَنْ ابْغَضَکُمْ فَقَدْ ابْغَضَ اللّٰہَ[1]

ترجمہ: جس نے آپؑ سے محبت کی اُس نے در حقیقت اللہ سے محبت کی اور جس نے آپؑ سے نفرت کی اُس نے در حقیقت اللہ سے نفرت کی۔

☆محمد و آلِ محمدؐ کا ذکر ہی اللہ کا ذکر ہے:

1: مولاؑ فرماتے ہیں:

نَحْنُ ذِكْرُ اللَّهِ،وَ نَحْنُ أَكْبَرُ[2]

ترجمہ: ہمؑ ہی اللہ کا ذکر ہیں اور ہمؑ ہی اکبر ہیں۔

---

[1] بحار الانوار جلد 99 صفحہ 133

[2] البرھان فی تفسیر القرآن جلد 4 صفحہ 322

2:رسول اللہؐ فرماتے ہیں:عَلاَمَةُ حُبِّ اَللَّهِ حُبُّ ذِكْرِهِ وَ عَلاَمَةُ بُغْضِ اَللَّهِ بُغْضُ ذِكْرِهِ[2][1]

ترجمہ: اللہ کی محبت کی نشانی اللہ کے ذکرؐ سے محبت ہے اور اللہ سے بغض کی نشانی اللہ کے ذکرؐ سے بغض ہے۔

3:الإمام علي (عليه السلام): الذكر لذة المحبين[3]

ترجمہ: مولا علیؑ نے فرمایا: ذکرِ محبوبؐ محبین کیلئے لذت بخش ہے۔

"محبت آلِ محمدؐ ہی اسلام اور دین کی بنیاد ہے"

1:قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: أساس الإسلام حبي وحب أهل بيتي[4]

رسول اللہؐ نے فرمایا: میریؐ اور میرے اہل بیتؑ کی محبت ہی اسلام کی بنیاد ہے۔

---

[1] مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل جلد 5 صفحہ 284

[2] کتاب محبت صفحہ 456

[3] میزان الحکمت، جلد 2 صفحہ 964

[4] مودۃ اھل البیت، مرکز الرسالۃ، صفحہ 55

2:لكل شئ أساس وأساس الاسلام حبنا أهل البيت[1]

مولاؑ فرماتے ہیں: ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ہم اھل بیتؑ کی محبت ہے۔

3:الإمام الباقر (عليه السلام): حبنا أهل البيت نظام الدين[32]

ترجمہ: امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ہم اہل بیتؑ کی محبت دین کا نظام ہے۔

نتیجہ ءِ فکر: ہم نے اس باب میں محبت والمودۃ محمد و آلِ محمدؑ اور عزاداریِ سید الشہداؑ عمل اور واجب و لازم ہونا ثابت کر دیا ہے لیکن جہاں بہت سے مصائبِ محمد و آلِ محمدؑ درد و غم میں شامل ہیں وہاں ایک ظلم یہ بھی شامل ہے کہ عزاداریِ سید الشہداؑ کو اصل الدین واسلام تو دور کی بات عبادت بھی نہ سمجھا گیا اور اعلیٰ ترین اور افضل ترین عبادت و عمل کے ہوتے ہوئے بھی مفضول و ادنیٰ عبادت و عمل کی طرف دوڑ پڑ ھتے ہیں۔

---

[1] بحار الانوار جلد 27 صفحہ 91

[2] أهل البيت في الكتاب والسنه، محمد الريشهري، صفحہ 390

[3] کتاب محبت صفحہ 190

بس صرف ایک حدیث لکھ کر ہم اپنے اگلے باب کی طرف بڑھ جائیں گیں

لو أن عبدا عبد الله عز وجل بين الصفا والمروة ألف عام، ثم ألف عام، ثم ألف عام ولم يدرك محبتنا لأكبه الله عز وجل على منخريه في النار[1]

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: کوئی شخص صفا اور مروہ کے درمیان ایک ہزار سال تک اللہ کی عبادت کرے، پھر ایک ہزار سال تک عبادت کرے، پھر ایک ہزار سال تک عبادت کرے، حتی کہ اسکا جسم خشک لکڑی جیسا بن جائے اور پھر اگر اسکے پاس ہماری محبت نہیں تو اللہ اسکو منہ کے بل جہنم میں پھینکے گا۔

---

(1) تاریخ مدینہ دمشق جلد 42 صفحہ 66، عربی، اہلسنت کتاب

باب دوم:

"حقیقتِ فدک اور حقیقتِ اجر مودّت"

فصلِ اول:

"حقیقتِ فدک"

☆فَـاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْـرٌ لِّلَّـذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰـهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُــمُ الْمُفْلِحُوْنَ[1]

ترجمہ: اے رسول اللہؐ آپ قرابتؑ داری والے کو اور مسکینوں اور ابن السبیل والے کو اُس کا حق دے دو اور قرابت داری والے کو اُس کا حق پہنچ جانا اُن تمام انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا بہترین سبب بنے گا جو اللہ کے چہرےؑ یا توجہاتؑ کو اپنے اوپر مرکوز رکھنا چاہتے ہیں۔

اس آیت کے حوالے سے تفاسیر عامہ وخاصہ میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور علماء وواعظین نے بہت کچھ اپنے سامعین کی نظر کیا ہے لیکن آج ہم اس آیہ مجیدہ میں موجود اُس حقیقت کو سامنے لانا چاہتے ہیں جیسے پہلے

---

[1] سورہ الروم آیت 38

عمومی طور پر سامنے نہیں لایا گیا اور ہماری اس حقیقت کا ثبوت آیہ ء مودت میں اور سورہ الشوریٰ کی آیات میں بھی موجود ہے جسے ہم اپنے اگلے عنوان میں سامنے لائیں گیں۔

☆بحثِ عمومی و خصوصی:-

☆مندرجہ بالا آیت میں رسولؐ کی نام نہاد قوم کی مرضی کے خلاف رسول اللہؐ کے قریبی عزیز کو اُس کا حق دینے کا حکم ہے اور اس حق کو ادا کرنے کا سبب یہ بتایا ہے کہ ایسا کرنا ان تمام لوگوں کیلئے خیر و خوبی ثابت ہو گا جو دنیا میں محض وجہ اللہ حاصل کرنے کو اپنا انتہائی مقصد سمجھتے ہیں اور جو اس غرض کو حاصل کرنے پر ہر وقت اپنے ہر ارادے اور عمل کو مرکوز رکھتے ہیں۔

☆اس آیہ مبارکہ پر اس طرح بھی غور کریں کہ کیا کوئی حقیقی معنی میں ایسا مسلمان بھی ہو سکتا ہے جو مسلمان رہتے ہوئے اپنا ہر ارادہ اور ہر عمل کو وجہ اللہ یا بقول عام علماء رضائے خداوندی پر مرکوز رکھنا پسند نہ کرتا ہو؟ میرا جواب تو یہ ہے کہ ساری کائنات وجہ اللہ کے حصول میں سرگرداں ہے ہم تو یہاں تک کہیں گے کہ خود وجہ اللہ کے علاوہ ہر مخلوق ہر انسان ہر نبی اور ولی اور عمومی عقیدے کے مطابق خود فلاں، فلاں اور فلاں وغیرہ بھی اللہ کی رضا یا وجہ اللہ کے محتاج اور طلب گار ہیں اور آیت میں مذکور مساکین و ابن السبیل بھی وجہ اللہ ہی کیلئے ارادہ اور عمل رکھتے ہیں۔

☆پھر اس آیت کے متعلق یہ سوچیں کہ کیا اللہ کسی غلط عمل و عقیدہ رکھنے والے گروہ کو فلاح یافتہ اور ہر ہر معاملے میں کامیاب (المفلحون) قرار دے سکتا ہے؟؟؟ اور ظاہر ہے کہ جس حق والے ہی کیلئے ساری

کائنات، سارے انبیاؑ سارے اولیاءؒ اور انسان اپنے اپنے ہر ارداے اور عمل کو مرکوز رکھتے ہوں وہ حق اگر نہ دیا جائے یا نہ ملے تو اس کائنات سے فلاح کا اصول رخصت ہو جائے گا اور فساد ہی فساد پھیل جائے گا لہذا ماننا پڑتا ہے کہ وہ حق عام انسانی حقوق میں سے کوئی حق نہیں ہے اس لئے کہ کسی بھی انسان کے حقوق میں سے کوئی ایک حق ایسا نہیں ہے جس پر ساری نوعِ انسان کی فلاح منحصر ہو سکے اور جسکے ملنے پر ساری کائنات کا ارادہ و عمل مرکوز رہتا ہو۔

لہذا اس حق کو کوئی عظیم الشان اور ہمہ گیر حق ہونا چاہیئے جس میں تمام انسانوں کا عموماً اور بے سہارا (مساکین) وراہ گیر (ابنِ سبیل) کا خصوصاً فلاح و کامیابی کا سامان ہونا لازم ہے اور ان سب کو اسی صورت میں فائدہ پہنچ سکتا ہے جب کہ وہ حق صرف اس شخص کو ملے جو القربیٰ کا سربراہ ہے ورنہ لوگوں کی محرومی اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا۔

اور سود در سود کا رواج چل نکلے گا۔ زکوۃ اور پاکیزگی اور حقیقی افزائش رک جائے گی (کیونکہ یہ سب کچھ حکومت الٰہیہ اور حکومتِ الٰہیہ کے حقیقی سربراہ کی ذمہ داری ہے) اور خلافتِ الہیہ میں شریک ہونے والوں کی وجہ سے (جن کا حق نہیں ہے جو کہ غاصب ہیں اور یہی حقیقی شرک ہے) بحر و بر میں فساد ہی فساد چھا جائے گا مجرموں کیلئے سزائے دنیا کی راہیں ناہموار ہو جائیں گیں اور سابقہ روئے زمین کے مشرکوں کی کثرت کی طرح اس امت میں بھی مسلمان نام کے مشرکوں کا دور دورہ ہو جائے گا۔

اور اُس دن کا نفاذ ہو جائے گا جو دینِ قیمّ کے مطابق خلافتِ الٰہیہ قائم نہ ہونے اور اُس کی حقیقت کو چھپانے کی وجہ سے ٹالے نا ٹلے گا۔

اور قومی مسلمان اپنا الگ رہنما بنا کر اُس کے پیچھے دوڑنے اور نئے نئے تصورات اور فرقے گھڑنے لگیں گیں۔

اس سب سے بدترین صورتِ حال کو سنوارنے اور بہترین نتیجہ نکالنے کیلئے ضروری تھا کہ القُربٰی کے مالکؑ یا صاحبؑ یا القُربٰی والے (ذوالقُربٰی کا حقیقی ترجمہ) کو اس کا حق بعدِ رسولؐ فوراً دیا جاتا۔

☆اب اُسےؑ محروم کرنے کی صورت میں تو اس کے حقوق کو ماننے والوں اور اِس سلسلے کے نیک اعمال کرنے والوں کو اللہ اپنے فضل سے جزا دے گا۔

اگر آپ نوٹ فرمائیں تو اس آیت سے بر آمد ہونے والے نتائج سے بات واضح ہو چکی ہے کہ وہ حق "حقِ خلافتِ الٰہیہ" یا نیابتِ رسولؐ و جانشین ہونا تھا۔

☆مزید ثبوت کیلئے آیت میں موجود چند الفاظ پر غور کریں

1: فَـاٰتِ معنی (پس تو تنہا ایک شخص کو دے) یعنی یہ حق جس کا آیت میں ذکر ہے وہ ایک شخص یعنی رسول اللہؐ پر ادا کرنا یا دینا واجب ہے ورنہ رسالت نہیں رہتی آیہ ولایت دلیل ہے۔

2: ذَا الْقُرْبٰی معنی (مالکِ القُربٰی یا صاحبِ القربی یا القربی والے) یعنی (اس تنہا ایک صاحبِ قُربٰی کو)

3: حَقَّه معنیٰ (اُس تنہا شخص کا حق)۔

ذَالقُربیٰ پر ایک اور نظر:

ذَا ایک الگ معنی کا حامل لفظ ہے اور اَلقُربیٰ ایک مستقل اور علیحدہ لفظ ہے اس لیئے دونوں کے معنی الگ الگ ہیں لیکن اکثریت نے اپنے اپنے ترجموں میں "ذَا" اور اس جیسے دوسرے الفاظ (ذِيِ، اُولوُاِ، اُولی اور ذوِی) کے معنی کیا ہی نہیں۔

☆ مختصراً عرض ہے

"القُربیٰ" رسولؐ کے قربت دارؐ یا رشتہ دارؐ۔

"ذَالقُربیٰ" اُنؐ کا سربراہؐ ہے یا اُنؐ کا صاحب و مالک و ذمہ دار ہے۔

مثال کے طور پر ایک عدد آیت دیکھتے چلیں۔

مَّآ اَفَـآءَ اللّٰـهُ عَلٰى رَسُوْلِـهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰـــهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِــذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُـوْنَ دُوْلَـةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰــهَ ۖ اِنَّ اللّٰــهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ [1]

[1] سورہ الحشر آیت 7

ترجمہ: ہر وہ مال و املاک و سامانِ آسائش و ترقی جسے اللہ نے بستیوں والوں سے اپنے رسول کو واپس دلا دیا ہے وہ اللہ کی ملکیت و اختیار میں رسول کی ملکیت و اختیار میں، اور ذی القربی کی ملکیت و اختیار میں رہے گا اور یتیمی کو مسکینی کو اور مارے مارے پھرنے کو آسودہ حالی اور بے روک ترقی سے بدلنے کیلئے ان کی خدائی بصیرت کے ماتحت استعمال ہو گا۔ تاکہ اموال و سامانِ آسائش و ترقی و دولت مندوں، سرمایہ داروں، اجارہ داروں اور عثمانوں (یعنی غنیوں) ہی کے اندر گھومتا اور غربا کو محروم نہ کرتا رہے اس لئے رسولؐ جو کچھ تمہیں دیا کرے وہ بلا چُون چرا لے لیا کرو اور جس جس چیز سے، جس کام سے یا جس مال کی ممانعت کر دے اُس سے تم سب باز رہا کرو اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچ کر رہا کرو اس لئے کہ اللہ یقیناً رسول کے حکم کی خلاف ورزی اور زیادہ حصہ مانگنے پر سخت عذاب سے دوچار کرنے والا ہے۔

"بہرحال اس آیت میں جو اَلقُربیٰ کیلئے ذِی لیا گیا ہے یعنی جو اَلقُربیٰ والا ہے یا اَلقربیٰ جس کے ماتحت ہیں اور اس کے بعد اس مالِ فے کا مصرف بتایا گیا ہے اور پوری امت سے چون وچرا کرنے کے اختیارات چھین لئے گئے ہیں اور نزولِ قرآن کے دوران رسول اللہؐ کو مختار بنایا گیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اپنی صوابدید اور انکی ضرورت کے مطابق دیتے رہیں اور سرمایہ داروں، دولت مندوں اور اجارہ داروں کا پتا کاٹ دیا گیا ہے۔

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ جس شخص کے ماتحت اس وقت تمام اَلقُربیٰ اور اَلقُربی کے ذمہ دارؐ شخص اور ساری اُمت ہے وہ رسول اللہؐ کی ذات ہے اور اُن کے بعد ساری اُمت کا اور تمام اَلقُربیٰ کا سربراہ اَلقربیٰ والا ہے اور

وہ کوئی نہیں ہو سکتا سوائے مولائے کائناتؑ کے اور چونکہ انحضرتؐ کے بعد قومی حکومت بنالی گئی تھی اور خاندانِ نبوتؐ سے حکومت نکال لی گئی تھی اس لئے وہ تمام حقوق جو اللہ نے اس آیت میں اور آیہ فات ذو القربی حقه اور دیگر آیات میں محمدؐ اور علیؑ اور آئمہؑ اہل بیتؑ کو دیئے تھے وہ قومی حکمرانوں نے ضبط کر کے اپنے لئے اختیار کر لئے اس لئے ہم قومی حکومت کو غاصب حکومت قرار دیتے ہیں۔

☆ اور اہل خلاف خود قبول کرتے ہیں کہ "سرداران قریش یا صحابہ رسول اللہؐ نے خاندانِ نبوت میں حکومت کا جانا پسند نہ کیا اس لئے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی۔"[1،2]

☆ چونکہ رسولؐ کی قوم نے دھڑابندی یعنی اجماع کر کے یہ طے کر لیا تھا کہ ہر اُس آیت اور ہر اُس حدیث کو اجتہادات و تاویلات سے بدل دیا جائے جو مذکورہ اَلقُربیٰ والےؑ شخص کے حقوق بیان کرتی ہو (تاحال یہ سلسلہ جاری و ساری! العجل یاامامؑ) اور اس دھڑابندی کو اللہ اعلم الغیوب جانتا تھا اس لئے قرآن کی تلاوت اس حکیمانہ انداز میں کی گئی ہے کہ مخالف قوم کے مسلمان لیڈر قرآن کے الفاظ کو نہ بدل سکیں اور نہ ہی قرآن کے بیانات کو سیاسی حربہ بنا کر رسولؐ پر کنبہ پروری کا الزام عائد کر کے عوام کو بھڑ کا سکیں۔

---

[1] تفسیر احسن التعبیر جلد 2 صفحہ 1531

[2] الفاروق حصہ اول صفحہ 103

لٰہذا اللہ نے قرآن میں اسلام کے بدترین دشمنوں کا بھی نام نازل نہیں کیا۔ اسی طرح بڑی ہی حکمت کے ساتھ ہر جگہ اُس بزرگ ؑہستی کا نام بھی اس کی صفات و عادات میں لپیٹ دیا ہے جس نے اسلام کو نافذ کرنے میں قیامت تک کیلئے ٹھیکہ لیا اور خود کو اور اپنی اولاد ؑ کو دین و اسلام یعنی ولایتِ الٰہیہ اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام کیلئے فدا ہو جانے کی عملی و تاریخی مثال قائم کر دی اس مبارک و بزرگ ترین ہستی کو سورہ الروم کی آیت 38 میں ذَا القُربیٰ، اَلقُربیٰ والا یا اَلقُربیٰ کا صاحب و سربراہ فرمایا گیا ہے۔

☆ **نتیجہ:** اس زیرِ بحث آیت میں حکومتِ رسول اور جانشینِ رسول ہی تو وہ حق ہے جسے دینے کا حکم رسول کو قرآن میں دیا گیا ہے (یعنی سورہ الروم کی آیت 38) اور جس کا اعلان اُس ماہِ ذی الحجہ میں رسول اللہ ؐ نے حجۃ الوداع میں کیا تھا اور مسلمانوں نے اس حاکمِ مطلق ؑ کی بیعت کی تھی اور (بخٍ بخٍ لک یا علی ؑ) کہہ کر مبارک باد دی تھی۔ لیکن اُس قوم نے گٹھ جوڑ کر رکھا تھا کہ جو کچھ بھی ہو جائے نبوت کے بعد خاندانِ رسول میں حکومت و خلافت نا جانے دیں گے۔[1]

بہر حال سورہ حشر کی آیت 7 اور سورہ انفال کی آیت نمبر 41 میں بھی استعمال ہونے والے الفاظ "ذی القربیٰ" کے معنی نہایت سہولت سے سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی وہ شخص جو رسول ؐ کے زمانۂ حیات میں بھی رسول ؐ کے قریبی رشتہ داروں والا تھا، یا اُن کا ذمہ دار و سربراہ تھا، یا اُن کا صاحب و مالک اور کرتا دھرتا تھا۔ اُس

---

[1] الفاروق حصہ اول صفحہ 108

کیلئے اللہ نے رسول اللہؐ کو حکم دیا تھا کہ آپؐ اُسے اُس کا حق دے دیں یعنی مولا علیؑ کو اپنے بعد کیلئے بھی خلیفہ و جانشین بنا دیں اور قارئین جانتے ہیں کہ اسلام میں جتنی تبدیلیاں، فرقہ پروازیاں، قتل و غارت وقوع میں آیا وہ اُس حق کو غصب کر لینے اور اُس غصب کو جائز قرار دینے اور اُسے غصب، باطل و ظلم ثابت کرنے کی وجہ سے ہوا ہے اور ابھی یہ سلسلہ تبدیل و تحریف و تفریق ختم نہیں ہوا ہے۔ بلکہ روز بڑھتا جا رہا ہے۔

یاوارث ومالکِ حقِ الٰہی العجل العجل

بحثِ خصوصی:۔ ہم اوپر بحثِ عمومی و خصوصی میں سورہ الروم کی آیت نمبر 38 کے تحت ثابت کر آئیں ہیں کہ جو حق اللہ نے رسول کریمؐ پر واجب و لازم طور پر ادا کرنے یا دینے کا حکم فرمایا تھا وہ حق ولایت و خلافت و حکومت اور جانشینیِ پیغمبرؐ تھا اور اسی آیت کے تحت ہی جاگیرِ فدک کو سیدہؑ کو ہبّہ کیا گیا تھا حقیقت یہ ہے کہ باغات و جاگیرِ فدک کا تعلق بھی ولایت و خلافت و حکومتِ الہیہ تقویت کو قائم کرنے کیلئے تھا۔ (جسکی کچھ تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے)

پہلے حقِ جانشینیِ پیغمبرؐ پر چند دلائل پیش کر لیں۔

☆ اگر ہماری تقریباً تمام ہی تفاسیر میں دیکھا جائے کہ آیتِ سورہ الروم کے ذیل میں عامہ کو جواب در جواب دینے کے چکر میں حقیقت و حقِ ولایت و امامت و خلافت و حکومت اور جانشینیِ پیغمبرؐ کہیں گم ہو کر

ہی رہ گئی ہے اور صرف چند باغات کے گرد ہی گفتگو گھومتی رہتی ہے ان باغات وجاگیرِ فدک کا مصرف کیا تھاوہ بھی ہم آگے عرض کریں گیں۔

☆اگر خطبہِ فدک کو حقیقتِ پسندانہ نقطہِ نظر سے تلاوت کیا جائے تو اس حقیقت کو سمجھنے میں قطعاً مشکل پیش نہیں آئے گی کہ جاگیرِ فدک کے ساتھ اصل مطالبہ ولایت وخلافت وجانشینیِ پیغمبرؐ تھا۔

☆خطبہِ فدک میں توحید ورسالت وامامت، احکاماتِ دین، حقِ وارثانِ انبیاؑ، پیغمبرؐ کی اولادؑ سے رویہ بعد از شہادت، حقِ فدک اور غدیر کے بعد پیغامِ حق کو نہ ماننے اور خلافت کو اپنے جائے قرار سے ہٹادینے کا ذکر کیا گیا تھا۔

☆دلیل کے طور پر خطبہِ فدک کے چند اقتباسات دیکھتے چلیں اور غوروفکر سے خود نتائج حاصل کریں۔

1: وأشهد أن أبي محمدا عبده ورسوله اختاره قبل أن أرسله، وسماه قبل أن اجتباه واصطفاه قبل أن ابتعثه، إذ الخلائق بالغيب مكنونة، وبستر الأهاويل مصونة، وبنهاية العدم مقرونة علما من الله تعالى بمآيل الأمور، وإحاطة بحوادث الدهور، ومعرفة بمواقع الأمور

ترجمہ: میں گواہی دیتیؑ ہوں کہ میرے باباجانؐ محمدؐ اللہ کے عبد اور رسولؐ ہیں اللہ نے انہیںؐ اپنی رسالت اور پیغمبری کیلئے عالمِ لم یزل میں منتخب فرمایا تھا اور اُس وقت انہیںؐ نبیؐ بنایا کہ جب اس کے سوا کسی چیز کا وجود ہیں تھا اور اُن کی خلقت سے قبل انؐ کا نام رکھا گیا اور ان کی بعثت سے قبل ان کا انتخاب کیا گیا یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب مخلوقات عالمِ غیب میں پنہاں تھیں اور وہ عدم کے پردوں سے باہر رہے اور

دوسرے موجودات پر عدم کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد مخلوقات کا سلسلہ آگے بڑھا تو اسی نور کا انبساط تھا جو عالمِ لم یزل میں یا بزمِ واحدنیت میں ذاتِ احدیت کی عبادت میں مشغول تھا وہ ہر چیز کو دیکھ رہے تھے اور ہر امر کے آشنا اور رازِ کے حامل تھے۔ زمانے آتے رہے، حوادث اور حادثات رونما ہوتے رہے اور رسولؐ ہر چیز کو دیکھ رہے تھے، موجودات کی مقداریں محمدؐ کے سامنے معین ہوتی رہیں اللہ نے اپنے امر کی تکمیل کیلئے انہیں مبعوث کیا تاکہ ہر چیز پر ان کی حکمرانی رہے۔ حکمتِ الٰہی کا جریان ہو اور حتمی امور پر ختمی مرتبتؐ کی تصدیق اور تائید ہو۔

2: وطاعتنا نظاما للملة، وإمامتنا أمانا من الفرقة

ترجمہ: ہماریؑ اطاعت کو اللہ نے ملتوں کی تنظیم سازی کیلئے اپنے بندوں پر واجب کیا اور ہماریؑ امامت کو تفرقے اور ہر گندگی سے بچانے کیلئے قرار دیا۔

3: اما کان رسول اللہ ابی یقول(المرء یحفظ فی ولدہ)

ترجمہ: کیا میرے باباجانؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ کسی شخص کی حفاظت اُس کی اولاد کی حفاظت کر کے ہوتی ہے۔

4: وقد قلت ما قلت هذا على معرفة مني بالجذلة التي خامرتكم، والغدرة التي استشعرتها قلوبكم، ولكنها فيضة النفس، ونفثة الغيظ، وخور القناة، وبثة الصدر، وتقدمة الحجة،

فدونكموها! فاحتقبوها دبرة الظهر، نقبة الخف، باقية العار، موسومة بغضب الله وشنار الأبد، موصولة بنار الله الموقدة التي تطلع على الأفئدة

ترجمہ: آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ تمہاری غداری کی وجہ سے کہا ہے۔ تم نے میری نصرت اور حمایت کرنے سے انکار کیا۔ میں جانتی تھی کہ تم میری مدد نا کروگے اور میں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ غم کا اظہار ہے اور دل کی آہ ہے ٹوٹے ہوئے دل کی آواز ہے اور اتمامِ حجت ہے، اب تم چاہتے ہو تو اس کو اختیار کرلو، اب یہ حکومت و خلافت کا ناقہ تمہارے سامنے ہے اس کو لے کر اس پر پالان باندھ لو مگر یاد رکھو کہ اس کی کمر زخمی ہے، پیٹھ مجروح ہے اور پیروں میں گھاؤ ہیں اس کا عیب ہمیشہ باقی رہے گا اس پر خدا کے غضب کی علامت اور رسوائی کا دائمی نشان رہے گا۔ یہ اللہ کی آگ سے متصل ہے اور آگ بھڑک رہی ہے اس کے شعلے لپیٹیں لے رہے ہیں اور وہ آگ قیامت میں دلوں پر وارد ہو گی۔

5: فبعين الله ما تفعلون وسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون وأنا ابنة نذير لكم بين يدي عذاب شديد فاعملوا إنا عاملون وانتظروا إنا منتظرون[1]

ترجمہ: تم جو کچھ بھی کرتے ہو یا کروگے وہ اللہ کی آنکھوں کے سامنے ہے اور عنقریب ظلم کرنے والے جان جائیں گیں کہ اُن کی بازگشت کتنی بری ہے۔ میں تمہارے اس پیغمبر کی بیٹی ہوں کہ جو تمہیں در پیش

[1] اسرار الفاطمیہ، شیخ محمد فاضل مسعودي، صفحہ 493

عذابِ الیم سے ڈراتے تھے اب تم اپنا کام کرو اور ہمؑ صبر کرتے ہیں تم عذابِ الٰہی کا انتظار کرو اور ہمؑ اللہ کے عدل و انصاف کا انتظار کرتے ہیں۔

العجل العجل یا ثائر البائرؑ

☆ فدک کی جاگیر کا مصرف بھی سنتے چلیں کہ جب حقِ خلافت غصب کر لیا گیا اور خلافت کی بھاگ دوڑ سنبھال لی گئی تو حکومت و خلافت کا نظام چلانے کیلئے خزانوں میں کچھ مال و دولت کا ہونا ضروری ہوتا ہے ورنہ حکومتیں نہیں چلتیں کیونکہ خزانے رسول اللہ ؐ کی ریاستِ مدینہ جو سرکارؐ نے قائم فرمائی تھی جس کا تختِ حکومت مسجدِ نبوی تھا (جس کے سب دروازے بند کروا دیئے گئے تھے صرف بارگاہِ امامؑ کا دروازہ باقی رہا تاکہ دنیا اس حقیقت کو جان جائے مسجدِ الٰہی میں آکر بارگاہِ امامؑ کا دروازہ باقی رہا تاکہ دنیا اس حقیقت کو جان جائے مسجدِ الٰہی میں آکر بارگاہِ امامؑ سے جو بھی چاہیے لے جاؤ اور ایک بات یہ بھی نوٹ کریں کے مسجد کا مصرف بھی عطاء کرنا ہے لینا نہیں) مسجد نبوی میں ہی صبح سے شام تک جو بھی مال و زر جس صورت میں بھی آتا تھا وہ ذخیرہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ شام ہونے سے پہلے پہلے ضرورت مندوں تک پہنچ جاتا تھا اور اگر کبھی شام ہونے تک ایک بھی کھجور بھی باقی ہوتی تو رسولؐ بے چین رہتے تھے یہاں تک کہ وہ بھی اپنے اہل تک پہنچ جائے۔

تو بس غاصبین کو مسئلہ یہ درپیش تھا کہ خزانے بھی خالی ہیں اور زکوۃ دینے والوں نے زکوۃ دینے سے بھی انکار کر دیا ہے (کیونکہ وہ ہمیں غاصب مانتے اور جانتے ہیں) اب چلے تو نظامِ حکومت کیسے چلے! پس پھر کیا

تھا کہ نظر جاگیرِ فدک پر جا ٹھہری کہ ہم نے اس پاک خاندانؑ سے حقِ خلافت وولایت تو چھین لیا ہے لیکن اگر فدک کی جاگیر اُنؑ کے پاس ہی رہی تو وہ پاک خاندانؑ گھر بیٹھے بیٹھے ہی نظامِ حکومت چلاتے رہیں گیں اور ہمارا مقصد فوت ہو جائے گا تو پس پھر کیا تھا کہ جاگیرِ فدک سے پاک سیدہؑ کے ملازمین کو نکال باہر کیا اور خود قابض ہو گئے۔

کیونکہ رسول اللہؐ کے دور میں بھی اور بعدِ رسولؐ بھی فدک کی تمام آمدنی جو کہ 70 ہزار دینار سالانہ تھی سیدہِ کائناتؑ اُسے غربا و مساکین کی فلاح و بہبود میں صرف کرتی تھیں!

پس اسی لئے غاصبینِ خلافت نے جاگیرِ فدک کو غصب کر کے اپنا نظام باطل، حق کی مدد سے حق کے ہی خلاف جاری کر دیا جو کہ تاحال جاری و ساری ہے۔

یعنی چودہ سو سال پہلے بظاہر اُس اسلامی سلطنت کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی! اُس کا آغاز جاگیرِ فدک کی دولت سے کیا۔

نوٹ:—یعنی " جیسے ابتداءِ اسلام میں ملکہ العرب بی بیؑ نے اپنا کُل مال و متاع اپنے عظیم شوہرؐ کی محبت و مودت میں اُنؐ کے اختیار میں دے دیا تاکہ دینِ اسلام (حکومتِ الہیہ) کی تبلیغ کے قیام میں خرچ کریں۔

صرف یہاں تک بات نہیں رکتی بلکہ دونوں پاک ذواتؑ نے اپنی اولادؑ و جان بھی راہِ ولایت اور ولی مطلقؑ کے تحفظ کیلئے پیش کر دیا۔

"ہماری مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات قارئین پر یقیناً واضح ہو گئی ہو گی کہ جاگیرِ فدک مصرف اور مقصد اصلی بھی قیام حکومتِ الٰہیہ تھا۔"

☆ اسی ذیل میں چند مزید دلائل بطور ثبوت قارئین کی نظر کرتے ہیں۔

1: مولا علیؑ نے اِس فدک یعنی حکومت و خلافت کی حدود اِس طرح بیان کی ہیں۔

"ایک حد باغِ فدک کی کوہِ احد ہے، ایک حد مصر کی بلندی ہے، ایک حد سیف البحر ہے اور ایک حد دومتہ الجندل یعنی وادی ہے۔[1]

اُس وقت اسلامی ملک کی یہی حدود تھیں۔

2: زمخشری کہتے ہیں: "ہارون رشید نے مولا امام موسی کاظمؑ سے عرض کی!" اے ابوالحسنؑ آپؑ فدک کی سرحد معین فرمایئے تاکہ ہم اسے آپؑ کو واپس لوٹا دیں۔ حضرتؑ نے اس کام سے انکار کیا، یہاں تک کے ہارون نے اصرار کیا تو امامؑ نے فرمایا: "اگر میں اسکی حقیقی سرحدیں مشخص کروں تو تم اسے واپس نہیں کرو گے! ہارون نے کہا: اسکی حدود کہاں تک ہیں؟ حقیقت اور سنجید گی کے ساتھ اس کو مشخص کیجئے۔ لہذا امامؑ نے فرمایا: اس کی پہلی سرحد عدن تک ہے یہ سُن کر ہارون کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور اُسنے کہا! اپنے بیان کو جاری رکھئے، امامؑ نے فرمایا: اس کی دوسری حد سمرقند ہے یہ سُن کر ہارون کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

---

[1] حیاتِ طیبہ سیدہ عالمین از سید ضمیر اختر نقوی صفحہ 522

امامؑ نے فرمایا: اس کی تیسری سرحد افریقہ ہے یہ سن کر ہارو کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ اس نے کہا جاری رکھئے! امامؑ نے فرمایا: اسکی چوتھی سرحد خزر دریا یعنی سیف البحر اور ارومیہ تک پھیلی ہوئی ہے!

ہارون رشید نے کہا آپؑ نے تو تمام سلطنتِ عباسیہ کا مطالبہ کیا ہے اور پھر ہمارے بیٹھنے کی جگہ تک نہیں رہے گی۔ امامؑ نے فرمایا: میں نے تو تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اگر "فدک" کی سرحدیں معین کروں گا تو تم اسے ہمیںؑ واپس نہیں لوٹا سکو گے اسی بنا پر ہارون نے امامؑ کو شہید کرنے کا فیصلہ کیا۔[1،2،3]

یعنی فدک کا دوسرا نام مملکتِ اسلامی ہے جہاں تک خلافت قائم ہے وہاں تک فدک کی حدود ہیں۔

3: مولا امام جعفر صادقؑ سے کسی شخص نے پوچھا کہ فدک آپؑ کے پاس ہوتا تو اُس کا مصرف کیا تھا؟

مولاؑ نے اپنے غلام کو بلایا اور کہا اس کو لے جاؤ اور ہمارےؑ مکان کے تمام کمروں کے دروازے کھول کر ذخیرہ دکھاؤ، غلام نے سارے دروازے کھولنے شروع کیئے اور کہا ہر کمرے میں جاؤ، ایک کمرے سے نکلا، دوسرے کمرے میں گیا، تیسرے کمرے میں گیا، کہا کیا دیکھا؟ کہا میں نے یہ دیکھا کہ تازہ کھجوریں زمین سے چھت تک بھری ہوئی ہیں اور شیرہ ٹپک رہا ہے کھجوروں سے، کہا دیکھ لیا، یہ سب فدک کی

---

[1] ربیع الابرار جلد 1 صفحہ 315

[2] خواص الامہ از مسبط ابن جوزی صفحہ 41

[3] حیاتِ طیبہ سیدہ عالمینؑ از سید ضمیر اختر نقوی صفحہ 586

کھجوریں ہیں فدک ہو کسی کے پاس بھی جب فصل آتی ہے سارے پھل یہاں آجاتے ہیں، اور یہ اسٹور ہے ہمارا۔ پھر غلام سے کہا دروازے بند کر دو، سارے کمروں کے دروازے بند ہو گئے؟ مولاؑ نے غلام سے کہا سارے کمروں کے دروازے کھول دو اور اس کو ہر کمرے میں لے جاؤ، باری باری ہر کمرے میں گیا، کہا کمرے تو سب خالی پڑے ہیں، وہاں کھجوروں کا نام و نشان نہیں ہے!؟

مولاؑ نے کہا جو حقدار تھے اُس تک جا چکیں اس طرح اللہ ہمیں دے رہا ہے اور اس طرح ہم تقسیم کر رہے ہیں۔ اگر ہمارے پاس فدک ہوتا تو پوری اُمت ہمارے در سے پل رہی ہوتی (یعنی ظاہر طور پر فدک ہوتا) کسی کا حق نہ چھینا جاتا، پھر غریب امیروں کو شکورہ نہ کر رہے ہوتے اور ہر ایک امیر بن کر غریبوں کا حق نہ مار رہا ہوتا۔ اس لئے فدک خلافت کے قیام و تقویت کی بنیاد بنا تھا۔[1]

4: ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد علی بن فاروقی سے دریافت کیا: کیا سیدہ کائناتؑ اپنے دعوی میں سچی تھیں؟

علی بن فارقی نے جواب دیا: وہ بیشک سچی اور بر حق تھیں! میں نے دریافت کیا کہ پھر اول نے انہیں ان کا حق کیوں نہیں دیا؟

[1] فدک قانون کی روشنی میں از سید ضمیر اختر نقوی صفحہ 19

توانہوں نے مسکرا کر جواب دیا: کہ اول اگر اُنؑ کے دعوے پر انہیں فدک دے دیتا تو وہؑ کل پھر آتیں اور اب اپنے شوہرؑ کیلئے حقِ خلافت کا مطالبہ کرتیں اور اول کو خلافت سے ہاتھ دھونا پڑ جاتے اول کو یقین تھا کہ سیدہؑ سچی ہیں لیکن مسئلہ تھا خلافت کا اور خلافت چلانے کیلئے روپیہ پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور باغِ فدک کی اُس وقت 70 ہزار دینار سالانہ آمدنی تھی۔[1،2]

یعنی سیدہِ کائناتؑ فدک کو اسلامی حکومت کی بنیاد قرار دیتی ہیں۔ اگر خلیفہ فدک واپس کر دیتا ہے تو اُس کی خلافتِ باطلہ بھی رخصت ہو جائے گی۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد 1 صفحہ 284

[2] حیاتِ طیبہ سیدہِ عالمینؑ صفحہ 530 اور 548

فصلِ دوم:

"حقیقتِ اَجرِ مُوَدّت"

اے طالبانِ حقیقت! ہم حقیقتِ فدک کے عنوان کے تحت کافی تفصیل سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جو حق اللہ نے رسول ؐ کو واجب ولازم طور پر دینے کا کہا تھا وہ حقیقت میں حقِ خلافت وولایت وجانشینیِ پیغمبر ؐ تھا اور جاگیرِ فدک بھی اسی حقیقت کے تحت تھی اب ہم اس عنوانِ بالا "حقیقتِ اجرِ مودت" پر کچھ عرض کرتے ہیں۔

☆یعنی المودت فی القربیٰ کس چیز کا اجر ہے عمومی طور پر تو المودۃ کو اجر رسالت سمجھا اور مانا جاتا رہا ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہے!

جیسے آیہ مودت میں "عَلَیہِ" کہہ کر ظاہر کیا ہے لیکن عمومی نکتہِ نظر سے ہٹ کر سورہ الشوری کی آیہ مودت سے سابقہ بائیس (22) آیات مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سابقہ 22 آیات میں حکومتِ الہیہ کے سلسلے کے مجتبی خلفاؑ کا تعین و تقرر زیرِ بحث رہا اُن کے مخالفوں کے منصوبے اور قومی حکومت قائم کرنے کی باتیں ہوئیں اور غاصبین کو قیامت تک کی مہلت یعنی رجعت میں سزا بھگتنے کا ذکر ہوا اور اب اچانک 23 نمبر آیت میں رسول اللہ ؐ کو حکم دیا گیا کہ تم ؐ اپنے تمام مخاطبوں سے کہہ دو "الفضل الکبیر" یعنی اللہ کے عظیم الشان فضل و کرم سے وابستہ کرنے کا اجر صرف یہ ہے کہ تم ان لوگوں ؑ کے ساتھ اپنی تمام قسم کی مکمل و محترم و باوقار وابستگیاں وابستہ کر دو جو ہمہ قسم کی قربتوں کے حامل ؑ ہیں۔[1]

---

[1] سورہ الشوری آیت 22و23

☆ آیہ مودت میں "علیہ" سے کون ساکام مراد لیا جائے اگر آپ سیاق وسباق کو ملحوظ نہ رکھیں تو آیت 23 میں رسولؐ کو کوئی کام مذکور نہیں ہے جس کا اجر المودۃ فی القربٰی ہے البتہ آیت نمبر 22 میں اللہ کا "الفضل الکبیر" موجود ہے! جس پر اللہ اجر مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ نہ کہ رسالت یا کارِ رسالت کا اجر۔ چنانچہ لفظ "علیہ" کو اپنے ذاتی خیال سے کار رسالت سمجھ لیا گیا جو سراسر باطل ہے۔ قارئین اس نکتہ پر غور فرمائیں گیں تو تمام حقیقت واضح ہو جائے گی۔ اس لئے کہ جس چیز کی اللہ بشارت اور خوشخبری دیتا چلا آیا ہے وہ الفضل الکبیر ہے جسے حاصل کرنے کیلئے یا قائم کرنے کیلئے پہلے رسولؐ کو اجر دیتا ہے۔

یہاں بھی یہ نوٹ فرمائیں کہ صرف لفظِ فضل نہیں فرمایا بلکہ الف اور لام لگا کر مکمل اور ہر ہر قسم کا فضل بتایا گیا اور اسی طرح صرف کبیر نہیں بلکہ الکبیر فرمایا جس میں فضل کی ساری بزرگی اور ہر وسعت داخل ہوتی ہے اور اسی بنا پر صرف مودت نہیں الف ولام لگا کر ہر ہر قسم اور ہر مقدار بطور اجد لازم کی ہے ورنہ معمولی فضل کے بدلے میں معمولی مودۃ کافی ہو جاتی۔ لہذا الف ولام کی وجہ سے تمام رشتہ داریاں، قرابتیں اور قرب وتقرب مل کر القربیٰ میں داخل ہو جاتے ہیں یعنی جہاں تک مادہ (ق۔ر۔ب) کی وسعتیں جاتیں ہیں وہیں تک القربیٰ کے معنی خود بخود وسیع ہو جاتے ہیں۔

☆ اور ذاالقربیٰ (سورہ الروم آیت 38) والی آیت میں صاحب ومالکِ القربیٰ کو جو حق دینے کا کہا گیا تھا وہ حقِ خلافت وولایت وحکومتِ الہیہ ہی تھا۔

یعنی جس حقیقت کہ بدلے بطور اجر المودۃ فی القربٰی طلب کی گئی وہ حقیقت سوائے "الفضل الکبیر" کی صورت میں ولایت وحکومتِ الہیہ ہے۔

☆ **نتیجہ**: یعنی حکومتِ الہیہ کے قائم کرنے یا قیام کیلئے المودۃ یعنی اپنی تمام قسم کی مکمل ومحترم وباوقار وابستگیاں اپنی تمام تمنائیں تمام خواہشیں، تمام امنگیں تمام امیدیں اور ہر قسم کا لگاؤ اور لگن وابستہ کرو۔

ولایت جیسی نعمتِ عظمیٰ یعنی الفضل الکبیر ملنے پر۔

خلافت وولایتِ عظمیٰ اور حکومتِ الٰہیہ ہی کا اجر المودہ فی القربیٰ تھا چند دلائل دیکھتے ہیں:

1: محمد بن جریر کتاب المناقب میں لکھتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے مالک علیؑ سے فرمایا: آپ شہر میں اعلان کریں کہ

(1) جو مزدور کا حق کھائے، اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

(2) جو اپنے آقا کو چھوڑ کر اوروں سے منسوب ہو، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

(3) اور جو اپنے والدین پر سب وشتم کرے، اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

مالک علیؑ نے یہ اعلان کیا کچھ دیر بعد ثانی اور انکے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت رسول اللہؐ کے پاس آئی اور انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ!

ہم نے جو اعلان سنا کیا اسکا کچھ اور مطلب بھی ہے؟

☆ نبی اکرمؐ نے فرمایا جی ہاں میں نے اعلان کر دیا ہے کہ جو مزدور کا حق کھائے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اللہ نے قرآن میں میریؐ بھی **مزدوری** مقرر کی ہے اور فرمایا ہے:

قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ

میری **مزدوری** میرے قرابت داروںؑ سے مودت ہے لہذا جو شخص میری مزدوری ادا نا کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

☆ میںؐ نے اعلان کروایا جو اپنے آقا کو چھوڑ کر اوروں سے رشتہ قائم کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

اللہ نے میرےؐ متعلق فرمایا

النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم

ترجمہ: محمدؐ مومنین کے ہر معاملے میں ان سب کے مقابلے میں انکی اپنی سوجھ بوجھ حتی کہ جان سے بھی زیادہ ہمدرد حاکم ہیں۔

میںؐ نے علیؑ کے متعلق اعلان کیا:

من كنت مولا فهذا علی مولا

جس جس کا میں مولا اس اس کا علیؑ مولا

لہذا جو مجھےؐ اور علیؑ اور ذریتِ علیؑ کو چھوڑ کر غیروں سے رشتہ جوڑے اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

☆ میں نے یہ اعلان کیا جو والدین کو سب و شتم کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ میںؐ اللہ کو اور تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اور علیؑ مومنین کے والد ہیں لہذا جو بھی ہم پر سب و شتم کرے اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

جب صحابہ باہر آئے تو ثانی نے کہا اے گروہِ صحابہ رسول اللہؐ نے غدیر میں ولایت کا جو اعلان کیا تھا وہ اتنا مفصل نہیں تھا جتنا کہ آج کا بیان مفصل ہے۔

خباب بن ارت کا بیان ہے کہ نبی اکرمؐ نے یہ اعلان اپنی وفات سے 19 دن قبل کروایا تھا۔[1]

یہاں مندرجہ بالا فرمان میں ثانی کا بیان بھی نوٹ کرلیں کہ وہ بھی اس حقیقت سے واقف تھا کہ اجر المودہ فی القربی ہی اجرِ ولایت ہے جو کہ غدیرِ خم میں بیان ہوا تھا۔

2:فقال له علي بن الحسين (عليهما السلام) " يا شيخ، هل قرأت القرآن؟ "

قال: نعم

قال: " فهل عرفت هذه الآية: (قل لا أسألكم عليه أجرا إلا المودة في القربى)؟ "

---

[1] غایتہ المرام از سید ہاشم البحرانی جلد 3 صفحہ 348 حدیث نمبر 8 باب 5

قال الشيخ: قد قرأت ذلك

فقال له علي (عليه السلام): " نحن القربى يا شيخ، فهل قرأت في بني إسرائيل: (وآت ذا القربى حقه)؟ "

فقال الشيخ: قد قرأت ذلك

فقال: " فنحن ذو القربى يا شيخ، فهل قرأت هذه الآية: (واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه وللرسول ولذي القربى)؟ "

قال: نعم

فقال (عليه السلام): " فنحن ذو القربى يا شيخ، وهل قرأت هذه الآية: (إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا)؟ "

قال الشيخ: قد قرأت ذلك

فقال (عليه السلام): " نحن أهل البيت الذين خصنا الله بآية الطهارة يا شيخ "

قال الراوي: بقي الشيخ ساكتا نادما على ما تكلم به، وقال تالله إنكم هم؟

فقال علي بن الحسين (عليهما السلام): " تالله إنا لنحن هم من غير شك، وحق جدنا رسول الله (صلى الله عليه وآله) إنا لنحن هم "

قال: فبكى الشيخ ورمى عمامته، ثم رفع رأسه إلى السماء وقال: اللهم إني أبرء إليك من عدو آل محمد (صلى الله عليه وآله) من الجن والإنس

ثم قال: هل لي من توبة؟

فقال له: " نعم، إن تبت تاب الله عليك وأنت معنا "

فقال: أنا تائب

فبلغ يزيد بن معاوية حديث الشيخ، فأمر به فقتل

ترجمہ: روایت ہے کہ جس وقت اہلبیتؑ کو امام حسینؑ کی شہادت کے بعد قیدی بنا کر مسجدِ شام کے دروازے پر ٹھرایا گیا تو اس دوران ایک بوڑھا شخص مولا سجادؑ کے قریب آیا اور بلند آواز میں کہنے لگا اللہ کا شکر ہے کہ جس نے تمھیں قتل کیا اور تمھاری جڑیں کاٹیں اور فتنہ کا سینگ توڑا ہے یہ سن کر امام سجادؑ نے جواب دیا: اے شخص کیا تو نے قرآن کو پڑھا ہے؟

اس نے کہا: ہاں!

امامؑ نے فرمایا: کیا تو نے قرآن کی اس آیت کو پڑھا ہے

ترجمہ: اے رسولؐ آپ کہہ دو کہ میں اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ میرے اقرباؑ سے مودت کرو (سورہ الشوری آیت 23)

اس نے کہا: پڑھا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: ہمؑ ہی القربی ہیں!

امامؑ نے فرمایا: اے شخص کیا تو نے سورہ بنی اسرائیل پڑھی ہے؟

اُس نے کہا: پڑھی ہے۔

امامؑ نے کہا: بنی اسرائیل کی آیت ہے وآت ذا القربى حقه (آیت 26)

امامؑ نے فرمایا: ہم ہی القربیٰ ہیں اے شیخ!

اے شیخ کیا تو نے اس آیت کو پڑھا ہے؟

ترجمہ: اور تم جان لو ماسواء اس کے نہیں ہے کہ جو کچھ بھی تم کو کسی چیز سے غنیمت ملے یقیناً اس کا پانچواں حصہ اللہ کیلئے ہے، اس کے رسولؐ کیلئے ہے اور القربٰی والے کیلئے ہے۔ (سورہ الانفال آیت 41)

اُس نے کہا پڑھی ہے!

امامؑ نے فرمایا: ہمؑ ہی القربٰی ہیں۔

امامؑ نے فرمایا: اے شیخ کیا تو نے یہ آیت پڑھی ہے۔

ترجمہ: اللہ کا ارادہؑ یہ ہے کہ وہ تم سے ہر طرح کا رجس دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و پاکیزہ رکھے جیسا رکھنے کا حق ہے (سورہ احزاب آیت 33)

اس نے کہا ہاں پڑھی ہے!

پس امامؑ نے فرمایا: نحن أهل البيت الذين خصنا الله بآية الطهارة يا شيخ

ترجمہ: ہم ہی وہ اہل بیتؑ ہیں جن کو اللہ نے اس آیت تطہیر کے ساتھ خاص کیا۔

راوی کا بیان ہے کہ جیسے ہی بوڑھے شخص نے امامؑ کے ان الفاظ کو سنا تو خاموش ہو گیا اور اپنی باتوں پر شرمندہ ہوا اور کہنے لگا: میں آپکو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ مجھے یہ بتاؤ کہ کیا قرآن کی یہ آیت آپؐ کی شان میں نازل ہوئی ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: مجھے اللہ اور اپنے جد رسولؐ کی قسم ہے کہ یہ آیات ہمارے ہی حق میں نازل ہوئی ہیں یہ سُن کر وہ بوڑھا شخص رونے لگا اور اپنا عمامہ زمین پر پھینک دیا اور پھر اپنے سر کو آسمان کی طرف بلد کر کے کہنے لگا: اے اللہ میں اُن لوگوں پر تبرا کرتا ہوں جو آلِ محمدؐ کے دشمن ہیں چاہے انسانوں میں سے ہوں یا جنوں میں سے۔۔۔ پھر مولاؑ سے کہا کہ کیا میری توبہ قبول ہو جائے گی؟

امامؑ نے فرمایا: اگر تو توبہ کر لے تو اللہ تیری دعا قبول کرے گا اور تو ہمارے ساتھ ہو گا۔

اُس نے کہا: میں توبہ کرتا ہوں۔

جیسے ہی اس بوڑھے شخص کی باتوں کا علم یزید ملعون کو ہوا تو اُس نے اس ضعیف کو قتل کرا دیا۔[1]

☆اہم نکات:

1: مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ بات با آسانی ثابت ہے کہ المودہ فی القربیٰ اجر رسالت و خلافت و ولایت و حکومتِ الہیہ جانشینیِ پیغمبرؐ تھا اور اس حقیقت سے ثانی اچھی طرح واقف تھا اس لئے کہا تھا کہ رسول اللہؐ نے غدیر میں ولایت کا جو اعلان کیا تھا وہ اتنا مفصل نہیں تھا جتنا کہ آج بیان مفصل ہے۔

2: اور ان دونوں حدیثوں میں موجود آیات ساتھ ہی ساتھ استحقاقِ ولایت و خلافت اور جانشینیِ پیغمبرؐ میں موجود صفات و خصوصیات بھی بڑے واضح انداز میں بیان کرتیں ہیں۔

3: اور یہ حقیقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ ولایت و خلافت اور جانشینیِ پیغمبرؐ ازل تا ابد اسی پاک خاندانؑ میں ہی اللہ نے قرار دی ہے۔

نوٹ:

ہمارے عنوان حقیقتِ فدک اور حقیقتِ اجر المودہ فی القربیٰ سے ایک سبب سے اہم ترین حقیقت یہ بھی آشکار ہوتی ہے کہ یہ پاک خاندانؑ ولایتوں خلافتوں جیسے مقامات سے کہیں زیادہ بالا اور اعلیٰ ہے۔

یعنی تمام غایتوں کی غایت اور تمام انتہاؤں کی انتہا ہے۔

---

[1] موسوعہ شھادۃ المعصومین (ع)، لجنتہ الحدیث فی معھد باقر العلوم (ع) جلد 2 صفحہ 366

باب سوم:

عزاداری اصولِ دین ہے!

☆مولا علیؑ نے فرمایا: "اصول کو ضائع کر کے فروع کو مقدم جاننا زوال کی دلیل ہے۔[1]"

حضرت بہلولؒ دانا اس حکمت کی عملی وضاحت کچھ اس طرح فرماتے ہیں کہ "وہب بن عمرو (بہلول دانا)، شیخ جنید بغدادی سے سوالات کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ لوگوں کو تم روحانی تعلیم دیتے ہو اور خلق خدا کے مرشد بنے پھرتے ہو۔ کیا تمہیں کھانے کا طریقہ معلوم ہے؟

شیخ نے جواب دیا: "میں بسم اللہ پڑھ کر شروع کرتا ہوں، اپنے سامنے سے کھاتا ہوں، چھوٹے چھوٹے لقمے لیتا ہوں، آہستگی سے چباتا ہوں، کھانے میں شریک لوگوں کے نوالے نہیں گنتا کھانا کھاتے ہوئے اللہ کی حمد کرتا ہوں۔ اور کھانا شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد اپنے ہاتھ دھوتا ہوں۔"

بہلول نے کہا" تمہیں تو ابھی تک کھانا کھانا بھی نہیں آتا"!

غور سے سنو! تم نے جو کچھ بیان کیا وہ کھانا کھانے کے آداب تھے۔ وہ سب فروعات ہیں۔

---

[1] نہج الاسرار جلد 1 صفحہ 73

جب کہ اصول کی حیثیت مسلّم ہے۔

تو کھانا کھانے کی اصل یہ ہے کہ جو کچھ کھایا جائے وہ حلال اور جائز ہو۔ اگر حرام غذا کو ایک ہزار آداب کے ساتھ بھی کھایا جائے تو وہ بے فائدہ ہے اور دل کی تاریکی کا سبب بنتا ہے۔ [1]

نوٹ:- یہاں ایک اہم بات نوٹ کرتے چلیں کہ بظاہر ہم اس عنوان میں **عزاداری کو اصول دین میں سے ثابت کریں گے** لیکن اس اصل کی بھی اصل ولایت، معرفتِ ولایت، معرفت محمد و آل محمدؐ اور خود محمد و آل محمدؐ ہیں۔" جس کی وضاحت ہم اپنے آنے والے عنوانات میں تفصیل سے کریں گے۔

"آجر اور اَجیر"

☆ دوستو! عزاداری آجر (اُجرت دینے والا یعنی عزادار، موالی) اور اجیر (اُجرت لینے والا یعنی محمد و آلِ محمدؐ) کے درمیان معاملہ ہے۔

یعنی اس کا تعلق اصول دین سے ہے۔ اور **اصول دین میں تقلید حرام ہے۔** اور اُجرت وہ چیز ہے جو خالق بھی معاف نہیں کرتا جب تک کہ اُجرت کا مالک معاف نہ کرے۔

---

[1] کتاب بہلول یگانہ صفحہ 151

یہی وجہ ہے کہ شہنشاہ انبیاؐ نے پاک خاندانؑ کی مودت کو نہ سنت قرار دیا اور نہ ہی واجب کیونکہ فرائض و واجبات بھی موقع محل کے ساتھ معاف ہو سکتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ مگر محمد و آل محمدؐ کی المودت نہ سنت ہے نہ فرض بلکہ یہ تو اُجرت ہے جس کی عدم ادائیگی نہ اس دنیا میں معاف ہو سکتی ہے نہ آخرت میں۔

عزاداری چاہے آنسوؤں کی شکل میں ہو یا ماتم کی شکل میں یا زنجیر و قمہ زنی کی صورت میں یہ اُجرت ہی ہے۔

1:بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ عَلَى الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصَّوْمِ وَ الْحَجِّ وَ الْوَلَايَةِ ، وَ لَمْ يُنَادَ بِشَيْ ءٍ كما نُودِيَ بِالْوَلَايَةِ

ترجمہ: فضیل سے امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "کہ اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں:

(1) نماز

(2) زکوۃ

(3) روزہ

(4) حج

(5) ولایت

اور کسی چیز کیلئے بھی ندا نہیں دی گئی جو کہ غدیر کے روز ولایت کیلئے ندا دی گئی۔[1]

2:عن ابی جعفر بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلَی خَمْسٍ عَلَی الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ وَ الصَّوْمِ وَ الْحَجِّ وَ الْوَلَايَةِ وَ لَمْ يُنَادَ بِشَيْءٍ كَمَا نُودِيَ بِالْوَلَايَةِ فَأَخَذَ النَّاسُ بِأَرْبَعٍ وَ تَرَكُوا هَذِهِ يَعْنِي الْوَلَايَةَ

ترجمہ:-"امام محمد باقر نے فرمایا کہ "اسلام کی بنیاد پانچ پر ہے:

(1) نماز

(2) زکوۃ

(3) روزہ

(4) حج

(5) ولایت پر

اور کسی چیز کے لئے اس طرح ندا نہیں دی گئی جیسا ولایت کی منادی کی گئی۔ پس لوگوں نے چار کو اختیار کر لیا اور پانچویں کو ترک کر دیا یعنی ولایت کو۔[2]

---

[1] اصول کافی جلد 3 کتاب الایمان والکفر، باب دعائم السلام حدیث 1

[2] اصول کافی جلد 3 کتاب الایمان والکفر، باب دعائم السلام حدیث 3

3:عَنْ أَبِی جَعْفَرٍ ع قَالَ: بُنِیَ الْإِسْلَامُ عَلَی خَمْسَةِ أَشْیَاءَ عَلَی الصَّلَاةِ وَ الزَّکَاةِ وَ الْحَجِّ وَ الصَّوْمِ وَ الْوَلَایَةِ قَالَ زُرَارَةُ فَقُلْتُ وَ أَیُّ شَیْ ءٍ مِنْ ذَلِکَ أَفْضَلُ فَقَالَ الْوَلَایَةُ أَفْضَلُ لِأَنَّهَا مِفْتَاحُهُنَّ وَ الْوَالِی هُوَ الدَّلِیلُ عَلَیْهِنَّ قُلْتُ ثُمَّ الَّذِی یَلِی ذَلِکَ فِی الْفَضْلِ فَقَالَ الصَّلَاةُ

ترجمہ: مولا امام محمد باقرؑ نے فرمایا: کہ "اسلام کو اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں پر استوار فرمایا ہے۔ نماز، زکوۃ، حج، روزہ اور ولایت پر۔

زرارہ نے دریافت کیا کہ: ان میں سے کون سی چیز افضل ہے؟

پس امامؑ نے فرمایا کہ **"ولایت"** افضل ہے۔ اس لئے کہ ولایت اُن کی کنجی ہے۔

اور ولی و امامؑ ان چاروں (روزہ، نماز، حج و زکوۃ) پر دلیل ہے اس کے بعد زرارہ برابر دریافت کرتے جاتے ہیں کہ ولایت کے بعد کون سی چیز افضل ہے فرمایا: "الصّلاۃ" نماز افضل ہے، روزہ، زکوٰۃ اور حج سے۔ اس کے بعد زکاۃ کو حج اور روزہ سے افضل فرمایا۔ پھر حج کا نمبر رکھا اور آخری درجہ روزہ کا مقرر فرمایا گیا۔[1]

نوٹ: مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہو گیا ہے کہ ولایت تمام اعمال کی کنجی ولی و امامؑ ہے۔۔

---

[1] اصول کافی جلد 3 کتاب الایمان والکفر، باب دعائم السلام حدیث 5

غرض کے عزاداری جیسی افضل ترین عمل وعبادت اور مقصد کربلا قیام ولایت تھا اور ہے۔ کیونکہ عزاداری راستہ ہے منزل ولایت اور صاحبان ولایتؑ ہیں۔"

ہم اپنے عنوان عزاداری اصولِ دین ہے کہ تحت ایک اہم روایت نقل کرتے ہیں۔

"حضرتِ موسیٰؑ پر اصولِ دین کا نزول"

☆مجمع البحرين :في حَديثِ مُناجاهِ موسى عليه السلام وقَد قالَ : يا رَبِّ، لِمَ فَضَّلتَ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه و آله عَلى سائِرِ الأُمَمِ ؟ فَقالَ اللّهُ تَعالى : فَضَّلتُهُم لِعَشرِ خِصالٍ قالَ موسى : وما تِلكَ الخِصالُ الَّتي يَعمَلونَها حَتّى آمُرَ بَني إسرائيلَ يَعمَلونَها ؟ قالَ اللّهُ تَعالى : الصَّلاةُ ، وَالزَّكاةُ ، وَالصَّومُ ، وَالحَجُّ ، وَالجِهادُ ، وَالجُمُعَةُ ، وَالجَماعَةُ ، وَالقُرآنُ ، وَالعِلمُ ، وَالعاشوراءُ قالَ موسى عليه السلام : يا رَبِّ ، ومَا العاشوراءُ ؟ قالَ : البُكاءُ وَالتَّباكي عَلى سِبطِ مُحَمَّدٍ ، وَالمَرثِيَّةُ وَالعَزاءُ عَلى مُصيبَةِ وَلَدِ المُصطَفى يا موسى ، ما مِن عَبدٍ مِن عَبيدي في ذلِكَ الزَّمانِ بَكى أو تَباكى وتَعَزّى عَلى وَلَدِ المُصطَفى، إلّا وكانَت لَهُ الجَنَّةُ ثابِتا فيها ، وما مِن عَبدٍ أنفَقَ مِن مالِهِ في مَحَبَّةِ ابنِ بِنتِ نَبِيِّهِ طَعاما وغَيرَ ذلِكَ دِرهَما أو دينارا ، إلّا وبارَكتُ لَهُ في دارِ الدُّنيا ؛ الدِّرهَمَ بِسَبعينَ دِرهَما ، وكانَ مُعافىً فِي الجَنَّةِ ، وغَفَرتُ لَهُ ذُنوبَهُ وعِزَّتي وجَلالي ، ما مِن رَجُلٍ أوِ امرَأَةٍ سالَ دَمعُ عَينَيهِ في يَومِ عاشوراءَ وغَيرِهِ قَطرَةً واحِدَةً ، إلّا وكَتَبتُ لَهُ أجرَ مِئَةِ شَهيدٍ

ترجمہ: اے میرے رب! آخری نبیؐ کی امت کو باقی نبیوں کی امتوں پر کیوں فضیلت دی ہے؟ جواب ملا! اُن میں دس خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اُن کی وجہ سے انہیں فضیلت دی گئی ہے۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا! وہ دس خصوصیات کیا ہیں؟

مجھے بھی بتائیں تو میں بنی اسرائیل کو کہوں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں۔

خداوند متعال نے ارشاد فرمایا وہ یہ ہیں:

"نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، جمعہ، جماعت، قرآن، علم، عاشورہ۔"

حضرت موسیٰ نے عرض کی پروردگار یہ عاشورہ کیا ہے؟

ارشاد ہوا: محمد مصطفیٰ کے فرزند کی مصیبت میں عزاداری کرتے ہوئے رونا اور مرثیہ خوانی کرنا۔

اے موسیٰ! جو بھی اس زمانے میں محمد مصطفیؐ کے فرزند پر روئے اور عزاداری کرے اُس کے لئے جنت واجب ہے۔ اور اے موسیٰؑ! جو بھی محمد مصطفیؐ کے فرزند کی محبت میں اپنا مال خرچ کرے اور کھانے کھلائے تو میں اس کے مال میں برکت ڈال دوں گا یہاں تک کہ اس کا ایک درہم ستر 70 درہم کے برابر ہو جائے گا۔ اور اُسے گناہوں سے پاک صاف جنت میں داخل کر دوں گا اور مجھے میری عزت و جلال کی قسم!

جو بھی عاشورہ یا عاشورہ کے علاوہ اُس کی محبت میں ایک قطرہ آنسو بہائے میں سو100 شہیدوں کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھ دوں گا۔[1،2،3]

فصلِ اول:

"ولایتِ الٰہیہ" اور "مقصدِ کربلا"

اصول کافی سے بنیادی اسلام پر پیش کی گئیں تین عدد احادیث میں تمام بنیادوں کی بنیاد ولایت کو فرمایا گیا اور اس موسیٰ والی حدیث میں "عاشور" اہم اصول بنا کر آخر میں ذکر کیا گیا!

جس سے یہ حقیقت باخوبی ثابت ہوتا ہے کہ "ولایت و عاشورہ" میں گہرا ربط ہے۔ پس اسی ذیل میں فرمان معصومؑ "دیکھتے چلیں!

1: جب مولا امام علی رضاؑ سے سوال کیا گیا کہ "آپؑ" محرم کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: "ہمؑ محرم کو اس لئے اہمیت دیتے ہیں کہ کہیں تم "غدیر" کی طرح محرم کو بھی نہ بھول جاؤ"![4]

---

[1] مستدرک الوسائل جلد10 صفحہ 319

[2] البکاء للحسین از میر جھانی صفحہ 85

[3] دمعتہ المومنین فی مودۃ المظلومینؑ صفحہ 119

[4] عزاداری سید الشہدا معصومینؑ کی نظر میں صفحہ 10

یعنی اعلانِ ولایت اور ولایت کو بھولنے کی وجہ سے کربلا ہوئی، کاش یہ نہ بھولائی جاتی۔ نہ بھولائی جاتی غدیر اور نہ ہوتا محرم اور اس فرمان معصومؑ سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ **مقصد کربلا علی ولی اللہ** تھا اور محرم بقاء غدیر یعنی ولایت کے بقاء کیلئے لازم ہے اور قیام ولایت کیلئے بھی۔

2: مقصدِ کربلا ولایت تھا اس پر کچھ مزید دلائل دیکھتے جائیں پھر ہم عنوان بدل لیں گے:

جب جناب سید الساجدینؑ رہا ہو کر کربلا پہنچے تو وہاں ایک شخص کو مجاور پایا جو کہ لشکرِ یزید سے تعلق رکھتا تھا۔ اُس سے پوچھا تو اسنے جواب دیا کہ میں گیارہ محرم کو کسی کام کیلئے کربلا میں ٹھہر گیا جب شام ہوئی تو مقتل سے ایک سر بریدہ گردن سے اذان بلند ہوئی جو گواہی دے رہا تھا:

"اشھد ان علیا امیر المومنین ولی اللہ"

جب میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ لاشہ حسینؑ ابن علیؑ تھا۔

وہ سپاہی کہتا ہے کہ میں حیران ہوا ایسی گواہی ختم کرنے کیلئے تو کربلا میں جنگ معرضِ وجود میں آئی۔[21]

---

[1] مقتل بحر المصائب وکنز الغرائب (نسخہ خطی) جلد 3 صفحہ 330

[2] اکمال الدین بولایتہ امیر المومنین صفحہ 481 از سید نثار عباس نقوی

3: قتلِ امام حسینؑ کی اصلی وبنیادی وجہ

قالَ الحُسَیْنِ بن علیؑ (علیہ الصلوۃ والسلام) : ویلکم أتقتلوني علی سنّة بدلتها أم علی شریعة غیرتها؟ أم علی جرم فعلته؟ أم علی حق ترکته، فقالوا له: انا نقتلك بغضا لأبيك

مولا امام حسینؑ نے یزیدی فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا:

جہنم وھلاکت وبربادی ہو تمھارے لئیے!!

تم مجھےؑ کیوں قتل کرنا چاہ رہے ہو؟

کیا میںؑ نے سنتِ رسولؐ کو بدلا ہے؟

کیا میںؑ نے شریعتِ رسولؐ میں تبدیلی کی ہے؟

یا میںؑ نے کوئی جُرم انجام دیا ہے؟

یا میںؑ نے کسی حق کو چھوڑا ہے؟

تو ان لعینوں نے امامؑ کو جواب دیا:

ہم (لعین) تجھے (علیہ الصلٰوۃ والسّلام) تیرے باپ (علیہ الصلٰوۃ والسّلام) سے بُغض کی وجہ سے قتل کر رہے ہیں۔[1،2،3،4،5]

بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ عمر سعد، ابن زیاد اور شمر نے جاگیروں کے لالچ میں فرزندِ رسول کو کربلا میں قتل کر دیا۔ یہ دشمنانِ اہلبیتؑ کی سازش رہی ہے کہ وہ قاتلینِ امامِ مظلومؑ کے گناہ و جرم کو ہمیشہ چھپاتے ہیں اور ان کے گناہ کو کم کر کے دکھاتے ہیں۔

جبکہ در حقیقت امام حسین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عمر سعد ملعون کو جاگیروں اور دیناروں کی پیشکش کی تھی جو اس نے رد کر دی تھی۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مولا حسینؑ سچے ہیں اور یزید لعین جھوٹا ہے پھر بھی اس نے امام مظلومؑ کی پیشکش رد کر دی۔ لہٰذا وجہ جاگیر اور دنیا نہیں تھی بلکہ اصل وجہ بغضِ مولا علیؑ ہی تھی۔

4: جابر بن عبد اللہ انصاری سے مولا حسینؑ نے اظہار کیا کہ کوفیوں نے ان کے بھائی امام حسنؑ کے ساتھ کیا کیا۔

---

[1] اِحقاق الحق وإزهاق الباطل، التستري، القاضي نور الله، جلد 11، صفحہ 647

[2] عاشورا ریشہ ھا، انگیزہ ھا، روید ادھا، پیامد ھا، مکارم شیرازی، ناصر، صفحہ 508

[3] معالی السبطين (عربی)، الشيخ محمد مهدي الحائري، جلد 2، صفحہ 12

[4] معالی السبطين (اردو)، الشيخ محمد مهدي الحائري، جلد 2، صفحہ 18

[5] ينابيع المودة لذوالقربى، القندوزي، سليمان بن ابراهيم، صفحہ 34

فرمایا:

قد فعل أخي ذلك بأمر الله وأمر رسوله، وإني أيضا أفعل بأمر الله وأمر رسوله

"یقیناً میرے بھائی حسنؑ نے بھی امر اللہ اور اس کے رسولؐ کے امر پر عمل کیا، میںؑ بھی وہی کروں گا"۔[1]

مجمع سے مراد وہ دشمن ہیں جنہوں نے بیت اللہ میں اسی مقصد سے رسول اللہؐ کی شہادت کے بعد اجتماع کیا ہوا ہے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی پیروی میں رسول اللہؐ کے احکامات کو پاؤں تلے روندنے کے لئے اور احکام و سنن الٰہی اور لوگوں کو ولایت امیر المؤمنینؑ سے منحرف کرنا، یہ ان کا ہدف اور مقصود ہے۔ جو دعائے ندبہ میں بھی آیا ہے:

والأمة مصرة على مقته، مجتمعة على قطيعة رحمه، وإقصاء ولده إلا القليل ممن وفى لرعاية الحق فيهم

امتِ رسول اللہؐ کے ساتھ دشمنی پر شدید مصر (اصرار کرنے والے) تھے اور ان کی پاک نسل کی نابودی اور ان کی اولاد طاہرہؑ کو دور کرنے کے لئے (ان کی مسندِ خلافت اور اس کی جانشینی سے) متفق ہو گئے۔

[1] مناقبِ ابن شہر آشوب جلد 3 صفحہ 212

مگر بہت سے کم لوگوں نے (جو مومن حقیقی تھے) ان کی اولاد کے حقوق کی رعایت کی۔[21]

5: مولا حسینؑ کی وصیت

بسم الله الرحمن الرحيم – هذا ما أوصى به الحسين بن علي بن أبي طالب إلى أخيه محمد المعروف بابن الحنفية ان الحسين يشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله، جاء بالحق من عند الحق، وأن الجنة والنار حق، وأن الساعة آتية لا ريب فيها، وأن الله يبعث من في القبور، واني لم أخرج أشرا ولا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما وإنما خرجت لطلب الاصلاح في أمة جدي (ص)، أريد أن **آمر بالمعروف وأنهى عن المنكر، وأسير بسيرة جدي وأبى** علي بن أبي طالب فمن قبلني بقبول الحق فالله أولى بالحق ومن رد على هذا أصبر حتى يقضى الله بيني وبين القوم بالحق وهو خير الحاكمين وهذه وصيتي يا أخي إليك وما توفيقي الا بالله عليه توكلت واليه أنيب.

ترجمہ: "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔ یہ وہ وصیت ہے جو حسین بن علی بن ابی طالبؑ نے اپنے بھائی محمد المعروف ابن حنفیہؓ کو کی ہے: بے شک حسینؑ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ

---

[1] بحار الانوار جلد 99 صفحہ 106

[2] خطیبِ کعبہ صفحہ 392

یکتاہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور حضرت **محمدؐ** اس کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ حق کی جانب سے حق بات لے کر آئے ہیں۔ اور یہ کہ جنت حق ہے، قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اور یہ کہ خدا قبروں میں موجود لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ اور میں کوئی تکبر و بڑائی دکھانے اور فساد و ظلم پھیلانے کی غرض سے نہیں نکل رہا۔ میں تو صرف اپنے نانا رسول اللہؐ کی امت کی اصلاح کی خاطر نکل رہا ہوں۔ میںؑ چاہتا ہوں کہ **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** کروں[1] اور میں اپنے ناناؐ و باباعلیؑ بن ابی طالب کی سیرت کا **اسیر** ہوں۔ پس اب اگر کوئی میریؑ دعوت کو حق سمجھ کر قبول کر لے تو خدا حق کا زیادہ سزاوار ہے۔ (یعنی جس نے میری دعوت قبول کی اس نے گویا خدا کا راستہ اختیار کیا۔) اور جس نے میری دعوت ٹھکرا دی تو میں صبر کروں حتیٰ کہ خدا میرے اور میرے مخالفین کے مابین انصاف کے ساتھ فیصلہ دے۔ اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

اے میرے بھائیؑ! یہ آپؑ کو میری وصیت ہے۔ اور مجھے اس کی توفیق خدا نے ہی دی ہے۔ میںؑ اس پر توکل کرتا ہوں اور اس کی طرف پلٹ کر جانے والا ہوں۔[32]

---

[1] ہم نے اس کتاب کے بابِ چہارم میں عنوان معرفت کے ذیل میں ایک حدیث نقل کی جس میں مولا صادقؑ نے فرمایا المعروف امیر المومنینؑ ہیں اور المنکر جو ان کے مقابلے میں آئے۔ ثابت ہوا کہ مولا حسینؑ ولایتِ امیر المومنینؑ کیلئے جنگ کرنے نکلے تھے۔

[2] لواعج الاشجان فی مقتل الحسینؑ صفحہ 39

[3] معالم المدرستین، السید مرتضی العسکري جلد 3 صفحہ 50

6: امام حسین نے روز عاشورا اپنے قاتلوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ فرمایا تھا:

ویحکم یاشیعة آل ابی سفیان بای ذنب تقاتلونی

"اے خاندان ابوسفیان کے پیروکارو! تم پر ہلاکت ہو۔ میں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ تم مجھ سے برسرپیکار ہو؟" اس کے جواب میں یزیدی لشکر نے یہ کہا تھا:

نقاتلك بغضا منا لا بيك

ہم تجھؑ سے اس لیے جنگ کر رہے ہیں کہ ہمیں تمہارے باپؑ سے دشمنی ہے۔[1]

7: مولا حسینؑ نے منزل ذی حسم پر حُر کے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

نَحْنُ أَهْلَ الْبَيْتِ أَوْلَى بِوَلَايَةِ هَذَا الْأَمْرِ مِـنْ هَؤُلَاءِ الْمُدَّعِينَ مَا لَيْسَ لَهُمْ

ترجمہ: "ہم اہلبیتؑ اولیٰ ہیں اس امر کی ولایت کیلئے بنسبت اُن لوگوں کے جو ولایت کے جھوٹے دعویدار ہیں جب کہ وہ ولایت کے اہل نہیں ہیں۔"[2]

---

[1] احکام عاشورا، صفحہ 48

[2] بلاغة الحسين مؤلف :السيد مصطفي الموسوي خطبة 31 صفحہ 148

8: وعن سعيد بن جبير قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله :جحود نعمة الله كفر وجحود نبوتي كفر، وجحود ولاية علي كفر، لأن التوحيد لا يبنى إلا على الولاية.

ترجمہ: سعید بن جبیر نے قولِ رسول اللہؐ بیان کیا ہے کہ "اللہ کی نعمت ٹھکرانا کُفر ہے اور اس طرح میریؐ نبوت اور علیؑ کی ولایت کا انکار بھی کفر ہے کیونکہ اللہ کی توحید صرف ولایتِ علیؑ پر اٹھائی گئی ہے۔[1]

[1] مشارق الانوار الیقین، عربی صفحہ 81، اردو صفحہ 46

فصلِ دوم:

"اصل حقیقی وجودی اصول دین کون ہے؟"

اصل حقیقی وجودی اصول دین کون ہیں معصوم امامؑ سے جانیئے:

1: عن الباقر عليه السّلام في قوله تعالى) :إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلامُ(، قال: التسليم لعليّ بن أبي طالب بالولاية

ترجمہ: امام محمد باقرؑ نے اللہ کے قول (بیشک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے) فرمایا: (دین) "علی ابن ابی طالبؑ" کو ولایت کے ساتھ تسلیم کرنا ہے۔[1]

2: اصل دین کیا ہے؟

قَالَ رَسُولُ اللہ یا علی انت اصل الدین

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا: "یا علیؑ" آپؑ اصل دین ہیں۔[2]

3: اصول دین کیا ہے؟

---

[1] المناقب لابن شہر آشوب جلد 3 صفحہ 95

[2] بصائر الدرجات جلد 1 صفحہ 30 از محمد بن الحسن الصفار القمر

قال الامام الباقر :نحن أصول الدين

ترجمہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "اصول دین ہم ہیں۔[1]

☆ذرا توحید، عدل، رسالت و نبوت، امامت اور قیامت کے تحت بھی مقام معصوم دیکھ لیں۔

1: توحید کیا ہے؟

عن السجّاد علیه السّلام : فی هذه الآیه: «فِطْرَتَ اَللّٰهِ اَلَّتِی فَطَرَ اَلنّاسَ عَلَیْها» قال: «هو لا إله إلا الله و محمّد رسول الله و علی ولیّ الله الی هاهنا التوحید«

ترجمہ:- امام سجادؑ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: اللہ کا دین و فطرت اور سنت خود وہی ہے جس فطرت پر انسانوں کو خلق کیا ہے (سورہ الروم 30) کی تفسیر میں مولا سجادؑ نے فرمایا: وہ دین و فطرت خودی توحید یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین ولی اللہ ہے، اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولا سجادؑ نے فرمایا فرمایا: یہاں تک توحیدِ خالص خود کامل ہوتی ہے۔

---

[1] البرھان فی تفسیر القرآن جلد 4 صفحہ 720

2:عدل کیا ہے؟

قال ابو جعفر : اَلْعَدْلُ فِی اَلْبَاطِنِ أَمِیرُ اَلْمُؤْمِنِینَ عَلَیْهِ السَّلاَمُ

ترجمہ -:"امام محمد باقرنے قرآن کی آیت کی تفسیر کرتے ہوتے ہوئے فرمایا: باطن میں عدل امیر المومنینؑ"ہیں۔[1]

3:رسالت و نبوت؟

قَالَ الصّادِقَ نحن شجرة النبوة و معدن الرسالة

ترجمہ: امام جعفر صادق نے فرمایا: ہم شجرہ نبوت اور معدنِ رسالت ہیں۔[2]

4:امامت؟

قال الامام الرضا:أن الامامة أس الإسلام النامی و فرعه السامی،بالإمام تمام الصلاة و الزکاة و الصیام و الحج

---

[1] تفسیر العیاشی جلد1 صفحہ166

[2] تفسیر القمی جلد2 صفحہ288

ترجمہ: امام رضاؑ نے فرمایا: یقیناً امامت اسلام کی مضبوط اساس اور بلند ترین شاخ ہے اور امامؑ ہی سے صلاۃ، صیام، زکوۃٰ اور حج تمام ہوتے ہیں۔[1]

(5) قیامت؟

عَن ابی عَبْدِ اللہ (اقتباس) یوم القیامۃ، و ھو قیام القائم علیه السّلام

ترجمہ: امام جعفر صادق نے فرمایا: "(ابلیس و ابلیسیت کے خاتمے کا دن) یوم قیامت ہے اور وہ یوم قیام القائم عجل اللہ تعالی فرج کا دن ہے۔[2]

---

[1] الامالی شیخ صدوق جلد 1 صفحہ 755

[2] تاویل الایات صفحہ 780

"اصلِ اصول دینِ امامِ زمانہؑ"

جناب سید مہدی بحر العلوم ہمارے مقدس ترین علما میں شمار ہوتے ہیں ان کا ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔۔

ان کے زمانے میں ایک ایرانی درویش نجف اشرف آیا جس کے بارے میں انہیں معلوم ہوا کہ اس کا عقیدہ دگر گوں ہے آپ نے اس درویش کو کھانے کی دعوت دی اور سوچا کہ اس کا عقیدہ بھی درست کریں گے، وہ درویش آیا اور کھانا وغیرہ کھانے کے بعد جب فارغ ہوئے تو آپ نے دریافت کیا کہ بابا درویش اصول دین کتنے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہے۔۔۔ آپ نے فرمایا بابا ہم نے اصول دین دریافت کئے ہیں کہ وہ کتنے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ حضور میں نے بھی اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ ایک ہے۔

آپ نے فرمایا دیکھو درویش بابا اصول دین پانچ ہیں۔۔ یہ سن کر اس نے جھر جھری لی اور کہا آپ یہ کیا فرما رہے ہیں کیا آپ اصول دین پانچ مانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ہیں جو پانچ اس لئے ہی مانتے ہیں، یہ سن کر اس نے عرض کیا جناب گستاخی معاف میں اصول دین ایک مانتا ہوں مگر میرے جسم پر گوشت نہیں ہڈیاں اور چمڑا بچا ہوا ہے اور آپ پانچ مانتے ہیں مگر پھر بھی لحیم وشحیم ہیں یہ کیا ہے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا درویش بابا آپ بتائیں اصل دین جو ایک ہے وہ کیا ہے؟ اس درویش نے جواب دیا کہ جناب میں تو

اپنے ولی العصرؑ پر سب کچھ قربان کرنا ہی اصل دین سمجھتا ہوں کیونکہ ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف ہی ایک اصول دین ہیں۔[1]

[1] انتصارِ ولایتِ عصر از سید جعفر الزمان نقوی صفحہ 113

فصلِ سوم:

"ذکر، صلاۃ اور ذکرِ وجودیؑ"

محمد و آلِ محمدؑ کا ذکر ہی عبادت اور صلاۃ ہے۔ کیونکہ محمد و آل محمدؑ ہی ذکر اللہ ہیں لہذا جب اور جہاں بھی عزادارانِ مظلوم کربلا مجلس و ماتم میں مصروف ہیں۔ حالت ذکر الٰہی اور حالت صلاۃ (نماز) میں ہیں چند احادیث معصومینؑ دلیل کے طور پر درج ذیل ہیں۔

وہ سب کچھ جس سے تم نے اللہ کا ذکر کیا وہ صلات (نماز) میں سے ہے۔

1: الحسين بن سعيد عن فضالة بن أيوب عن الحسين بن عثمان عن الحلبي قال قال أبو عبد الله عليه السلام: كلما ذكرت الله عز وجل به والنبي صلى الله عليه وآله فهو من الصلاة وإن قلت: السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين فقد انصرفت

ترجمہ: حلبی کہتے ہیں کہ مجھے امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "وہ سب کچھ جس سے تم نے اللہ کا ذکر کیا اور نبیؐ کا ذکر کیا وہ صلات (نماز) میں سے ہے اور جب تم نے السّلامُ عَلَيْنَا وَ عَلى عِبَادِ الله الصالحین کہا تو (صلات سے) فراغت پائی۔[1]

---

[1] اصول کافی جلد 3 صفحہ 338

2:عدة من أصحابنا، عن أحمد بن محمد بن خالد، عن أبيه، عن فضالة بن أيوب عن علي بن أبي حمزة قال: سمعت أبا عبد الله (عليه السلام) يقول: شيعتنا الرحماء بينهم ، الذين إذا خلوا ذكروا الله [إن ذكرنا من ذكر الله] إنا إذا ذكرنا ذكر الله وإذا ذكر عدونا ذكر الشيطان

ترجمہ:ترجمہ: امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:"ہمارے شیعہ آپس میں مہربان ہیں وہ جب خلوت میں ہوں تو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، بے شک ہمارا ذکر کیا گیا تو اللہ کا ذکر کیا گیا اور جب ہمارے دشمن کا ذکر کیا گیا تو شیطان کا ذکر کیا گیا"[1]

3:الإمام الباقر (عليه السلام) :لا يزال المؤمن في صلاة ما كان في ذكر الله، قائما كان أو جالسا أو مضطجعا، إن الله تعالى يقول * (الذين يذكرون الله قياما و)

ترجمہ: امام محمد باقرؑ نے فرمایا:"جب مومن کھڑا ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹ کر خدا کو یاد کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو وہ صلاۃ(نماز) میں ہی شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:"وہ جو اللہ کو حالت قیام، قعود اور لیٹے لیٹے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور و فکر کرتے ہیں اور زبان حال سے

---

[1] اصول کافی جلد 2 صفحہ 186

کہتے ہیں: اے ہمارے مالک! تو نے یہ سب کچھ باطل پیدا نہیں کیا تو فعل عبث سے پاک ہے۔ ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔ [1،2،3]

4: إن الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر ولذكر الله أكبر " فالنهي كلام والفحشاء والمنكر رجال ونحن ذكر الله ونحن أكبر

ترجمہ: سورۃ العنکبوت آیت 45 (اور صلاۃ قائم کرو بیشک صلاۃ فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اکبر ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔)

اس آیت کی تفسیر میں مولا امام محمد باقرؑ نے فرمایا: ہم ہی اللہ کا ذکر ہیں اور ہمؑ ہی اکبر ہیں۔ [4]

---

[1] سورہ آلِ عمران آیت 191

[2] تفسیر نور الثقلین جلد 2 صفحہ 262 حدیث 480

[3] امالی طوسی جلد 1 صفحہ 206

[4] اصول کافی جلد 2 صفحہ 598، عربی

5)امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: نحن ذکر الله

ترجمہ: ہم اللہ کا ذکر ہیں۔[1]

ارشاد باری تعالی ہے: و ذکر اسم ربه فصلی

ترجمہ: اور جس نے اپنے رب کے اسم کا ذکر کیا پس اسی نے نماز ادا کی۔[2]

6)رسول الله (صلی الله علیه وآله) : لا تزال مصلیا قانتا ما ذکرت الله، قائما و قاعدا أو في سوقك أو في ناديك أو حيثما كنت

ترجمہ: جب تک تو اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے خواہ کھڑے ہو کر بیٹھ کر، بازار میں یا محفل میں یا جہاں بھی ہوتا ہے ہمیشہ نماز اور قنوت کی حالت میں ہوتا ہے۔[3]

---

[1] تفسیر البرھان جلد 6 صفحہ 132

[2] سورہ الاعلی آیت 15

[3] میزان الحکمت جلد 2 صفحہ 968

فصل چہارم:

"ذکر وجودی کی اطاعت ہی عبادت اور نجات کی ضامن ہے ورنہ گمراہی ہے"

از کتاب حجتِ خدا امام العصر والزمان کی ہر لمحہ ضرورت از احسن زیدی صفحہ 33 سے 38

اُبی بن کعب صحابی نماز میں مشغول تھے۔ آنحضرتؐ نے اسے آواز دیکر بلایا۔ اس نے نماز جاری رکھی اور نماز مکمل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اللہ کا رسول خفا اور ناخوش تھا۔ اس صحابی نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں نے تجھے بلایا تھا تم نے میرے بلانے کی پرواہ نہ کی۔ صحابی نے نماز کا عذر کیا تو حضورؐ نے پوچھا کہ تمہیں نماز کس نے بتائی تھی؟ عرض کیا آپؐ ہی نے نماز سکھائی ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تونے ذکر وجودی کے حکم کی تو تعمیل نہ کی اور ذکر صوتی کی تعمیل کی۔ لہذا ایسی تعمیل کا کوئی فائدہ نہیں ہے جو ایمان وجودیؑ یعنی حقیقت ایمان کی نافرمانی کرادے۔ یعنی رسولؐ کا یا امام زمانہؑ کا حکم ماننا لازم ہے۔ خواہ نماز توڑ کر تعمیل ہوتی ہو یا کوئی اور نیک عمل ترک کرنا پڑتا ہو۔ اس لئے کہ عمل اسی وقت تک نیکی رہتا ہے جب تک امام زمانہؑ کی خوشنودی شامل رہے ورنہ اعمال کی پابندی بت پرستی بن جائے گی۔ اعمال تو آپ کے اختیار میں ہیں۔ کریں گے تو ہوں گے نہ کرو گے تو نہ ہوں گے۔ بت بھی آپ کے اختیار میں ہیں۔ یہ آپ کے بنائے ہوئے ہیں لہذا اپنے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کا وہی حال ہے جو اپنے اختیار کردہ اعمال کا حال ہے۔ خواہ وہ اعمال رسولؐ ہی نے کیوں نہ بتائے ہوں۔ ان کی پابندی کرنا اور امام زمانہؑ کے حکم کی اطاعت نہ کرنا بت پرستی سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ اگر امام زمانہؑ نے حکم دیا ہو کہ میرے

بلانے کے بعد بھی نماز نہ توڑنا تو وہ نماز کا نہ توڑنا ممکن ہے کہ امام زمانہؑ کے حکم ہی کی تعمیل ہو مگر ہم یہ سوچیں گے کہ جس طرح ہمیں یاد ہے کہ امام زمانہؑ ہی نے فرمایا تھا کہ میرے بلانے پر بھی نماز نہ توڑنا اسی طرح امام زمانہؑ بھی نہیں بھول سکتے کہ نہ توڑنے کا حکم انہوں ہی نے دیا تھا۔ لیکن پھر بھی مجھے بلا رہے ہیں لہذا ہم امام زمانہؑ کی آواز سنتے ہی پہلا کام یہ کریں گے کہ نماز ہو حج کا طواف ہو ایک دم اسے چھوڑ دیں گے اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے لہذا ہم ہر تازہ حکم کی اطاعت کریں گے اور قرآن کے حکم کو پہلا نمبر دیں گے یعنی اللہ نے فرمایا ہے کہ: یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ(8/24)"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ اور رسول کی پکار پر فوراً لبیک کہا کرو جب کہ رسولؐ تمہیں زندگی بخشنے کے لئے بلایا کرے۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہونا ہے۔" یہاں اللہ کا حائل رہنا امامؑ کا حامل رہنا ہے اس لئے کہ حشر کسی ایک مقام پر ہو گا اور کسی ایک مقام پر اللہ ہوتا نہیں وہ ہر جگہ ہوتا ہے۔ لہذا ہم امام علیہ الصلوۃ والسلام کے ہر نئے اور تازہ حکم کی تعمیل کریں گے اور نماز کو یا کسی اور عبادت کو امامؑ کے مقابلے میں ترجیح نہ دیں گے۔ بلکہ اگر وہ فرمادیں کہ نماز پڑھا ہی نہ کرو تو اپنا اجتہاد نہ کریں گے۔ ہمارے اعمال تو حجج اللہ کی عملاً قربت حاصل کرنے اور پیروی کر کے ساتھ دینے کے مترادف ہیں۔ جن کے ذریعہ ہم حجج اللہ کیساتھ (شفاعت) کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اعمال ہی کا نجات کیلئے کافی ہونا محال ہے۔ جو خود ہمارے محتاج اور ہمارے مصنوع (مخلوق) ہوتے ہیں۔ جو لوگ صرف اپنے اعمال کے ذریعہ (بغیر شفاعت حجج اللہ) نجات کے قائل ہیں وہ اپنے مصنوعہ (مخلوق

مثل بُت) سے شفاعت کے قائل ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے (خلیفہ) حجج اللہ کے بجائے اپنے گھڑے ہوئے (بت) اعمال کو تسلیم کرتے ہیں جو خدا کی ایک قسم سے ہمسری ہے۔

اعمال کی نتیجہ خیزی:

بنیادی تصور یہ رکھنا چاہئے کہ امام زمانہؑ ہر وقت اور ہر صورت میں واجب الاطاعت ہیں۔ کوئی نیک عمل ان کی خوشنودی کے بغیر نیکی نہیں بنتا ہے۔ گویا نیکی امام زمانہؑ کی خوشنودی میں ہے۔ اعمال صالحہ بذات خود نیکی نہیں ہیں۔ چونکہ بعض اعمال صالحہ مسلسل نبیوں میں جاری رہتے چلے آئے ہیں۔ ہر نبی نے ان پر عمل کیا۔ ان کو بجالاتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس تواتر اور لگاتار وقوع نے ان اعمال کو بذات خود نیکی بنادیا ہے۔ لہذا حکم ملے یا نہ ملے وہ اعمال برابر عبادت رہیں گے یہ تصور بت پرستی ہے۔ کسی عمل کو مستقل طور پر عبادت سمجھنا بت پرستی ہے۔ جو آج کل ہر فرقہ میں ہو رہی ہے۔ یہ اس لئے بت پرستی ہے کہ اس تصور اور عملدرآمد سے امام زمانہؑ بے کارِ محض ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور اُنؑ کی ضرورت سامنے آتی ہی نہیں ہے۔ لہذا پنجوقتہ نماز پڑھنا، سال بھر میں رمضان کے روزے رکھنا، واجب زکوۃ ادا کرنا خمس نکالنا اور حج کر لینا، کوئی مسئلہ پیش آئے تو تحفتہ العوام اور توضیح المسائل کے مطابق عمل کرنا، لوگ اس پر عمل کر رہے ہیں۔ اب بتایئے کہ امام زمانہؑ کی ضرورت کہاں پڑے گی؟ یہ تمام پروگرام صرف اس لئے بت پوجا ہو جاتا ہے کہ اس پروگرام نے امام زمانہؑ کو بے کار کر دیا ہے۔ لہذا نہ یہ نماز فائدہ پہنچائے گی نہ کوئی اور عبادت کام

آئے گی۔ کام آنے کی چیز خوشنودیِ امام زمانہؑ ہے۔ مندرجہ بالا پروگرام یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ جب اس پروگرام پر پابندی سے عمل کر لیا جائے تو امام زمانہؑ کو اور اللہ کو خوش ہونا ہی پڑے گا۔ یعنی

یہ پروگرام اللہ ورسولؐ کو اور امام زمانہؑ کو مجبور کر دیتا ہے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ۔۔۔۔

قارئین اس پیراگراف کو بار بار پڑھئے اور چاروں طرف مسلمانوں کے اعمال و تصورات کو دیکھیں تو ہمارے بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔ اور آپ دیکھیں گے کہ مسلمان (شیعہ و سنی دونوں) بڑے اطمینان سے مذکورہ پروگرام پر عمل پیرا ہیں۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ اس پروگرام پر پابندی سے عمل کرنے والے لوگ جنتی اور نجات یافتہ ہیں اور دونوں میں سے کسی کو بھی امام زمانہؑ کی نہ کمی معلوم ہوتی ہے نہ ضرورت۔ اور شیعہ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"امام زمانہؑ بحکم خدا غائب ہیں۔ ہماری ان تک رسائی ناممکن ہے۔ ہم مجبور ہیں لہذا معذور ہیں اور معذور بے خطا ہوتا ہے، لہذا ہم بے قصور ہیں۔"

<u>یعنی قصوروار معاذ اللہ اللہ ہے یا امامؑ ہے۔</u>

ہم مسلمانوں کی اس مستقل بت پرستی سے بریت کا اعلان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی عبادت خواہ قدیم ہو یا جدید ہو، قرآن میں آئی ہو یا حدیث معصومؑ میں بیان ہوئی ہو، نہ مستقل نیکی ہے نہ مستقل عبادت ہے نہ ذریعہ نجات ہے۔

(1) نیکی اور عبادت اور ذریعہ نجات ہر زمانہ کے امامؑ کی خوشنودی ہے۔

(2) ان کے تازہ حکم کی اطاعت ہے۔

اور ہر وہ دلیل باطل ہے جس سے امام زمانہ علیہ الصلوۃ والسلام کا وجود وضرورت باطل ہوتی ہو۔ یہ کہنا باطل ہے کہ نماز کا حکم تمام انبیاورسل نے دیا ہے اور تمام آئمہ معصومینؑ نے حکم دیا ہے اور سب نماز بجالاتے رہے اس لئے نماز بجالاناواجب ولازم ہے۔

قربتہً اِلی اللہ

شیعوں میں ہر عبادت کیلئے قربۃ الی اللہ کی نیت کی جاتی ہے یعنی عبادتیں اللہ کی قربت دلاتی ہیں۔ یہی بات بت پرستوں نے کہی تھی۔

الا لِلّٰہِ الدِّینُ الْخَالِصُ وَالَّذِینَ اتَّخَذُوا مِن دُونِہِ أَوْلِیَاءَ مَا نَعْبُدُھُمْ إِلَّالِیُقَرِّبُونَا إِلَی اللّٰہِ زُلفی [1]

خبر دار خالص دین اللہ کیلئے ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے سوا حکمران وولی بنارکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان حکمرانوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کی قربت دلادیں۔

[1] سورہ زمر آیت 3

اللہ کی قربت: قربت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ فاصلہ کم ہو۔ دوسری یہ کہ منزلت زیادہ ہو۔ چونکہ اللہ کائنات میں ہر جگہ موجود ہے لہذا اس سے فاصلے کا کم و بیش ہونا تو مشرکانہ تصورات ہیں۔ البتہ ہماری قربت اپنے امام زمانہؑ سے ممکن ہے اور قاعدۂ توحید کی رو سے امام زمانہؑ کی قربت ہی اللہ کی صحیح قربت کہلا سکتی ہے اور ہمیں دونوں طرح کی قربت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر ہماری نیت میں فاصلہ کی کمی نہیں ہوتی بلکہ تقرب یا خوشنودیِ امامؑ کی نیت ہوتی ہے۔ تمام شیعہ یہی نیت کرتے ہیں مگر یہ تصور رکھتے ہیں کہ مذکورہ پروگرام پر پابندی سے عمل کرنا امام زمانہؑ کو مجبور کر دیگا کہ وہ قربت یا خوشنودی عطا کریں۔ ہم تازہ بتازہ خوشنودی چاہتے ہیں، تازہ بتازہ حکمِ امامؑ چاہتے ہیں۔ دین کے تمام احکام اور نصوص خود اُن کے ماتحت ہیں۔ ہر حکم اور اپنے ایمان و عمل پر آپ کی تصدیق و حکم چاہتے ہیں قدیم احکامات پر اندھی تقلید کو حرام سمجھتے ہیں۔

باب چہارم:

محبت اور درجاتِ محبت

انسان جب کسی سے دوستی و محبت کرتا ہے تو اس کی محبت یا دوستی کی پوٹنسی یا شدت کی تین مقداریں ہوتی ہیں یعنی تین درجات ہوتے ہیں جن سے ہم ان کی شدت کو ناپ یا پرکھ سکتے ہیں۔

کیونکہ انسان کے کل سرمائے تین ہیں جنہیں متاعات ثلاثہ کہا جاتا ہے یعنی مال، جان اور عزت وناموس۔ اور ان کے اندر بھی مزید درجات اور شدتیں رہیں گیں۔

جنہیں ہم قدرِ تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

اُلفت

جب انسان کسی سے ایسی محبت کرتا ہو کہ جس میں وہ محبوب پر اپنا مال و دولت قربان کرنے یا مالی مدد و نصرت تک محدود ہو تو اس وابستگی کیلئے عربی میں لفظِ [الفت] استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان اس پر متاعِ اولیٰ قربان کر رہا ہوتا ہے اس لیے یہ وابستگی محبت کا اولیٰ ترین درجہ شمار ہوتی ہے۔

یا یوں سمجھ لیں کہ ہمدردی کے بعد کا درجہ یہی الفت ہوتی ہے جس میں انسان کسی کی مالی حد تک مدد کرتا ہے۔

☆اس کی ایک اور صورت بھی ہوتی ہے کہ اگر انسان کسی کی محبت یا وابستگی، دولت دے کر خرید سکتا ہے تو یہ **الفت** کہلاتی ہے جیسا کہ عربی میں اسے تالیف قلوب کا نام دیا جاتا ہے، یعنی کسی کی حوصلہ افزائی یا دولت سے یا کسی مالی چیز سے نواز کر اس کے دل میں ایک ادنیٰ سا جھکاؤ پیدا کرنا تالیف قلوب کہلاتا ہے کہ مال کے خرچ کیلئے دور اول میں مدات فرمائے گئے تو اس میں فرمایا گیا تھا کہ:

لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْـهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُـهُـمْ [1]

یعنی مال کو فقرا و مساکین پر خرچ کرنا کیونکہ وہ محروم طبقہ ہے یا پھر اُن پر جو عاملین ہیں یعنی انتظامیہ کے اخراجات کے ذمہ دار ہیں اس کے بعد جو مد د آئی ہے وہ مولفتہ القلوب کی ہے یعنی کچھ لوگوں کی ہمدردیاں خریدنا پڑیں تو اس پر خرچ کریں۔

اس لیے اسلام کے دور اول میں تو محسنہِ اسلام بی بیؑ کی ساری دولت اسی تالیف قلوب پر صرف ہوئی تھی اور لوگوں نے حصولِ دولت کیلئے اسلام کی چادر اوڑھ لی تھی جو سرور کونین ﷺ کے وصال الٰہی کے بعد اتار پھینکی تھی۔

☆اس کی ایک اور صورت بھی دیکھیں قرآن میں ارشاد ربانی ہے

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰـهِ جَـمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۚ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰـهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُـمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُـمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُـمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْـهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰـهُ لَكُمْ اٰيَاتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

---

[1] سورہ توبہ آیت 60

ترجمہ: ”تم سب مل کر اجتماعی حیثیت سے اللہ کی رسی (ولایت معصومینؑ) کو تحفظ اور عصمت کا ذریعہ بنالو تاکہ نہ تم سے گناہ سرزد ہوں نہ تم میں تفرقہ پڑے اور اللہ کی اُس نعمت ولایت معصومینؑ) کو یاد رکھو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔

اللہ نے تمہارے دلوں میں (ولایتِ معصومینؑ کے صدقے میں) الفت پیدا کر دی تو تم صبح وشام سے وابستہ ہو گئے کہ بھائی چارہ قائم ہے اور تم تو جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔ یہ اللہ کا وہی طریقہ ہے جس میں تمہارے لئے اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ شاید تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔“

یعنی ولایت معصومین سے وابستگی کی وجہ مومنین و مسلمین میں آپسی الفت کا سبب ہو جانا اور بھائی چارہ قائم ہونے کا کم از کم نتیجہ الفت یعنی ایک دوسرے پر مال و دولت کا خرچ کرنا آسان تر کر دیتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے ولایت معصومینؑ سے وابستگی بڑھتی جاتی ہے آپس میں مومنین کی محبت میں شدت آتی جاتی ہے۔

چند احادیث دیکھتے چلیں باقی تفصیل ہم ایک الگ عنوان کے تحت پیش کریں گے

1: الإمام الباقر : اعلم أن الألف مِنَ الله وَالفِركَ مِنَ الشَّيْطَانِ

ترجمہ:۔”امام محمد باقرؑ نے فرمایا! جان لو کہ الفت خدا کے اور دشمنی شیطان کے سبب پیدا ہوتی ہے۔[21]

---

[1] کتاب اصول کافی جلد ۳ صفحہ ۳۸۱، عربی

[2] کتاب محبت صفحہ 32

2:المؤمنون يألفون ويؤلفون ويغشى رحلهم

مولا امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:- مومنین ہی ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے یہاں آتے جاتے ہیں۔[1]

3:الامام الصادق: **ما التقى مؤمنان** قط إلا كان أفضلهما أشدهما حبا لأخيه

ترجمہ: مولا جعفر صادقؑ نے فرمایا: جب دو مومن ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو اُن میں میں افضل وہ ہوتا ہے جو اپنے مومن بھائی سے زیادہ شدت سے محبت کرتا ہے۔[2]

4:عن أبي عبد الله (عليه السلام) قال: ما عبد الله بشئ أفضل من أداء حق المؤمن

ترجمہ: ابو عبد اللہ نے فرمایا: مومن کے حق کی ادائیگی سے افضل اللہ کی کوئی عبادت نہیں ہو سکتی۔[3]

5: اور اسی طرح عزاداری سید الشہد میں مال و دولت دلی وابستگی کے ساتھ خرچ کرنا الفت کی دلیل ہے۔[4]

نتیجہ: یعنی اگر انسان کسی کی محبت میں مال و دولت کی قربانی دے سکتا ہو اور اس کو یہ سودا گھاٹے کا سودا نظر نہ آئے اس وابستگی کو ''الفت'' کہتے ہیں۔ اور یہ محبت کا انتہائی پست درجہ شمار ہوتا ہے اور جو مال تک کی قربانی سے گریز کرتا ہے وہ الفت کے دائرے سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔

---

[1] کتاب محبت صفحہ ۳۲

[2] بحار الانوار جلد ٦٦ صفحہ ۲۵۰

[3] اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۱۷۰، عربی

[4] محب اھل بیت کون؟ صفحہ ۴۵ حدیث-۲۳ از شیخ صدوق

محبت

انسان کی دوسری متاع ہوتی ہے "جان"

اور جہاں تک محبت کی تعریف کا تعلق ہے تو انتہائی سادہ لفظوں میں یہ ہے کہ کسی کے قرب کی چاہت دل میں پیدا ہونا "محبت" کہلاتی ہے اور انسان اس کی محبت اور چاہت کے قرب میں مال کے ساتھ ساتھ "جان" کی بھی قربانی دے سکتا ہو اور اسے گھاٹے کا سودا تصور نہ کرے تو کسی سے اس کی وابستگی کو عربی میں محبت کہتے ہیں۔

محبت کمال سے ہوتی ہے:

دوستو! زبانِ محبت میں کمال کو "حُسن" کہتے ہیں اور اس کی چار صورتیں ہیں۔

"عدل، حُسن و جمال اور لطف"

(1) سب سے پہلے **عدل** ہے جس پر باقی تین چیزوں کا دارومدار ہوتا ہے یہ بذاتِ خود حُسن نہیں ہوتا۔

عدل کا معنی ہے "شے کو اپنے محل و مقام پر ہونا"

پوری کائنات میں آپ جدھر بھی نظر دوڑائیں گے آپ کو عدل ہی عدل ملے گا لیکن حُسن ہر جگہ نہیں ملتا کیونکہ تخلیق کی بنیاد عدل پر ہے نہ کہ حُسن پر خود انسان کو دیکھیں تو اس کا ایک ایک عضو اسی مقام پر ہے جہاں اسے ہونا چاہیے لیکن اس کے باوجود ہر انسان حَسِین نہیں ہوتا۔

(2) **حُسن** کا مطلب ہے اجزاء یا اعضاء کا باہمی تناسب جسے انگریزی میں (Matching) کہتے ہیں مثال کے طور پر ہمارے معاشرے میں بڑی آنکھیں حُسن کی علامت سمجھی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جن کی آنکھیں بڑی ہوتی ہیں اور وہ بہت حَسِین لگتے ہیں لیکن یہی بڑی آنکھیں اگر کسی اور کے

چہرے پر لگادی جائے تو عجیب لگیں گی۔ سبب یہ ہے کہ یہ آنکھیں دوسرے شخص کے چہرے سے مناسبت نہیں رکھتی اس لئے بری لگنے لگیں۔

(3) **جمال** اس حُسن کو کہتے ہیں جس کی طرف دل بے ساختہ طور پر کھنچنے لگے اور قابو میں نہ رہے۔ اسی لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے لئے لفظ حُسن استعمال نہیں کیا بلکہ جمال کا لفظ استعمال کیا۔

ان اللہ جمیل و یحب الجمال

یعنی اللہ خود صاحب جمال ہے اور جمال سے ہی محبت کرتا ہے۔[1]

اب یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ وہ کون اللہ ہے جو جمیل ہے؟

کیونکہ جمال کے لئے ظاہر ہونا لازمی ہے اور اللہ (ذات) مرتبہ اظہار میں نہیں آسکتا بس جب آپ اُس اللہ کو ڈھونڈ لیں گے تو جمال بھی آپ کو سمجھ میں آجائے گا اور محبت بھی۔

(4) جمال کے بعد **لطف** آتا ہے اور یہ جمال کا وہ مقام ہے جہاں سے فیض جاری ہوتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں نہ صرف یہ کہ دل کھنچتے ہیں بلکہ دل و دسر دونوں جھک جاتے ہیں گردن خم ہو جاتی ہیں دامنِ سوال دراز ہو جاتا ہے نظریں بھیک مانگنے لگتی ہیں اور نظارہِ جمال کے لئے ہزار زندگیاں بھی کم پڑتی دکھائی دیتی ہیں۔

☆عدل سے سکون ملتا ہے، حُسن کا تقاضہ پسندگی ہے، جمال محبت کو کھینچتا ہے اور لطف کا مطالبہ مودت ہے۔

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد ۳ صفحہ ۳۴۸

☆**محبت کی ابتداء:-** عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ محبت کی ابتدا محب کی طرف سے ہوتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ محبت کی ابتدا محبوب کرتا ہے۔ جب تک محبوب کی طرف سے اشارہ نہ ہو اس وقت تک محبت کی چنگاری کبھی نہیں بھڑکتی۔ محبت نا تو زبان کی محتاج ہے اور نہ ہی یہ کوئی افتادِ ذہنی ہے بلکہ یہ خالصاً نگاہِ محبوب کا کرشمہ ہے۔

جیسا کہ مولا امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

الإمام علي (عليه السلام): الذكر ليس من **مراسم اللسان** ولا من مناسم الفكر، ولكنه أول من المذكور وثان من الذاكر

ترجمہ: ذکر نہ تو زبان کا وظیفہ ہے اور نہ ہی فکر کی نہج، بلکہ یہ اول ہے مذکور کی طرف سے اور ثانی ہے ذاکر کی طرف سے۔[1]

اس فرمان کی کی مختصر سی وضاحت کر دوں۔

یہاں **ذکر** سے مراد **محبت** ہے کیونکہ ذکر کے معنی ہی "یاد" کے ہیں اور یاد اُسے کیا جاتا ہے جس سے محبت ہو۔ مذکور سے مراد محبوب اور ذاکر سے مراد محبت ہے۔

آپؑ ارشاد فرما رہے ہیں کہ محبت نہ تو کسی کے بارے میں بات کر کے کی جاسکتی ہے نہ کسی کے بارے میں سوچنے سے محبت کی جاسکتی ہے بلکہ جب تک محبوب محبت بھری نگاہ نہ ڈالے اُس وقت تک محبت پیدا ہو ہی نہیں سکتی۔

---

[1] غرر الحکم جلد 1 صفحہ 547

گویا ہمیں جو محمدؐ و آل محمدؐ سے محبت کرنے کا حکم ہے تو اس حکم کو بجالانے کے لیے بھی ہم اہل بیتؑ کے محتاج ہیں اور بغیر ان کی مدد کے ہم ان سے محبت نہیں کر سکتے۔ "ایاک نعبد و ایاک نستعین" کا یہی مطلب ہے۔

☆ **مجاز اور حقیقت:** کسی بھی حقیقت کو پانے کے لیے مجاز کا سہارا ضروری ہوتا ہے یہ ایک آفاقی اصول ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا یہ ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعے حقیقت تک پہنچا جاتا ہے۔

مثلاً اگر آپ کو ایک گھر بنانا ہو تو پہلے کاغذ پر اس کا نقشہ بناتے ہیں جو پینسل سے بنایا ہوا ایک گھر ہوتا ہے اسے مجاز کہتے ہیں۔ پھر اس مجاز کی مدد سے آپ حقیقی گھر بناتے ہیں۔ حقیقی محبت تک پہنچنے کے لئے بھی ایک مجاز کی ضرورت ہے اور وہ اس دنیا میں ایک انسان کی دوسرے انسان سے محبت ہے۔

جیسے ماں، باپ کی محبت بھائی و بہنوں کی محبت بیوی، بچوں کی محبت اور دوست واحباب کی محبت۔

پوری دنیا اسی مجازی محبت پر قائم ہے اگر یہ جذبہِ محبت نہ ہوتی تو نسلِ انسانی منقطع ہو جاتی اور دنیا برباد ہو کر رہ جاتی جب مجاز میں اتنی طاقت ہے تو حقیقت میں کتنی طاقت ہو گی؟

اللہ نے بھی انسان کو مجازی محبت کا ذائقہ اسی لئے چکھایا ہے تاکہ وہ عملاً اس کیفیت سے گزرے۔ ہجر و فراق کی اذیتیں جھیلے، وصل اور وصال کے خوشگوار لمحات کا لطف اٹھائے، انتظار کی جان لیوا کیفیت کو اپنے اوپر طاری ہوتے دیکھے اور پھر خود اس بات کا اندازہ لگائے کہ جس حقیقی محبت کو وہ مدعی ہے کیا اس میں وہ ان تمام کیفیات و محسوسات سے دوچار ہوتا ہے یا نہیں؟

اگر کسی مقام پر وہ کسی کمی کا ادراک کرتا ہے تو پھر اُس کمی کو پورا کرنے کے لیے بھرپور کوشش کرے کیونکہ مقصد حیات "محبت حقیقی" ہے نہ کہ محبت مجازی جو لوگ مجاز میں ہی گم ہو کر رہ جاتے ہیں ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کاغذ پر نقشہ بنانے میں اپنی عمر گزار دے اور پھر یہ سمجھ لے کہ یہ میرا گھر بن گیا ہے۔ یہ جان لیجئے کہ چونکہ مجاز فانی ہوتا ہے اس لیے دنیا کا ہر حُسن اور ہر محبت بھی فانی ہوتی ہے اور چونکہ حقیقت ازلی و ابدی ہوتی ہے اس لئے حقیقی حُسن اور حقیقی محبت بھی لافانی ہوتی ہے اس پر زمانہ طاری نہیں ہوتا اس لیے یہ نہ کبھی پرانی ہوتی ہے اور نہ بوسیدہ ہوتی ہے یہ ہمیشہ تر و تازہ رہتی ہے۔

"کیفیاتِ محبت کلامِ معصومؑ سے"

1: الذکر لذة المحبین

ترجمہ: مولا علیؑ فرماتے ہیں محبوب کی یاد محبین کے لیے لذت کا باعث ہوتی ہے۔[1]

2: الذکر مجالسة المحبوب

ترجمہ: مولا علیؑ فرماتے ہیں: محبوب کی یاد محبوب کے ساتھ بیٹھنے کیطرح ہے۔[2]

---

[1] غرر الحکم جلد 1 صفحہ 549

[2] غرر الحکم جلد 1 صفحہ 549

3: یا داود، من عرفنی ذکرنی، و من ذکرنی قصدنی، و من قصدنی طلبنی، و من طلبنی وجدنی، و من وجدنی حفظنی، و من حفظنی لا یختار علیّ غیری

ترجمہ: اللہ نے ہی حضرت داوٴدؑ پر وحی نازل کی اے داودؑ! جس نے مجھے پہچان لیا تو وہ مجھے یاد کرتا ہے اور جو مجھے یاد کرتا ہے وہ میری طرف بڑھتا ہے اور جو میری طرف بڑھتا ہے وہ مجھے ڈھونڈتا ہے اور جو مجھے ڈھونڈتا ہے وہ مجھے پالیتا ہے اور جو مجھے پالیتا ہے وہ مجھے محفوظ رکھتا ہے اور جو مجھے محفوظ رکھتا ہے وہ میرے سوا کسی اور کو اختیار نہیں کرتا۔[1]

4: عن امیرالمومنین علی علیہ السلام: ان للہ تعالی شرابا لاولیائه اذا شربوا منه سکروا واذاسکرواطربوا واذا طربوا طابوا واذا طابواذابوا واذا ذابوا خلصوا واذاخلصوا طلبوا واذا طلبوا وجدوا واذاوجدوا وصلوا واذا وصلوا اتصلوا واذا اتصلوا لا فرق بینهم وبین حبیبهم

ترجمہ: **مولا امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے اللہ اپنے دوستوں کے لیے ایسا ہی ہے جیسے شراب طہور جو اسے پی لیتے ہیں تو مست ہو جاتے ہیں اور جب مست ہو جاتے ہیں تو طرب میں آجاتے ہیں اور جب طرب میں**

---

[1] علی مشکینی، تحریر المواعظ العددیہ، قم، الھادی، 1424ق، ص446

آتے ہیں تو پاک وصاف ہو جاتے ہیں اور جب پاک ہو جاتے ہیں تو گھل جاتے ہیں اور جب گھل جاتے ہیں تو خالص ہو جاتے ہیں اور جب خالص ہو جاتے ہیں تو جستجو میں لگ جاتے ہیں اور جب جستجو کرتے ہیں تو پا لیتے ہیں اور جب پا لیتے ہیں تو منزل تک پہنچ جاتے ہیں اور جب منزل تک پہنچ جاتے ہیں تو متصل ہو جاتے ہیں جب متصل ہو جاتے ہیں تو پھر ان کے اور ان کے حبیب کے درمیان کوئی فرق نہیں رہتا۔[1،2،3،4،5]

5: امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: پانچ آدمیوں کو نیند نہیں آتی ان پانچ آدمیوں میں سے آخری کے متعلق فرماتے ہیں:

☆ المحب حبيبا يتوقع فراقه

ترجمہ: اگر کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہو اور اسے اُس کی جدائی کی توقع ہو ہو تو ایسا شخص سو نہیں سکتا۔[6]

---

[1] کتاب محبت صفحہ 310

[2] بحر المعارف صفحہ 324

[3] الولایۃ التکوینیۃ لآل محمد، السید علي عاشور، صفحہ 244

[4] جامع السعادات، محمد مھدی النراقیی جلد 3، صفحہ 122

[5] کلمات مکنونہ صفحہ 77

[6] الخصال، الشیخ الصدوق، الصفحہ 296

6: امام علی علیه السلام : حبّ الله نار لایمرُّ علی شئی الّا احترق و نور الله لایطلَعُ علی شئی الّا اَضاءَ

"مولا امام علیؑ نے فرمایا: اللہ کی محبت کی کیفیت آگ سی ہے کہ ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور اللہ کا نور (یعنی محبت) جس چیز پر بھی چمکتا ہے۔ اُسے روشن کر دیتا ہے۔"[1]

7: الرسول الله : حب علی یأکل الذنوب کما تأکل النار الحطب

رسول اللہؐ نے فرمایا: "مولا علیؑ کی محبت گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو۔[2]

---

[1] کتاب محبت صفحہ 484

[2] کنز العمال، المتقي الهندي، جلد 11، صفحہ 261

المودّت

دوستو! جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کے تین سرمائے ہیں جن میں سے سب سے بڑی متاع و دولت ہے وہ انسان کی عزت وناموس ہے اگر انسان کسی کی محبت کے اُس مقام تک پہنچا ہوا ہو کہ جہاں وہ اپنی عزت وناموس کی قربانی دینے پر بھی آمادہ ہو سکتا ہو تو اس محبت کو عربی میں **"مؤدت"** کہتے ہیں، یعنی انسان کے دل میں اگر محبت اس قدر شدید ہو کہ کسی کیلئے وہ اپنی مال وجان اور عزت وناموس تک کی قربانی دینے تک کو گھاٹے کا سودا نہ سمجھتا ہو تو پھر اس **محبت** کا نام **مودت** ہے۔

اس لیے **اللہ** نے **فرمایا:** اِنَّ الَّـذِیْنَ اٰمَنُـوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَیَجْعَلُ لَـهُـمُ الرَّحْـمٰنُ وُدًّا

ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائیں گے اور وہ اعمال صالح (معرفت محمد و آل محمدؐ) بجالائیں گے تو عنقریب اللہ ان کیلئے ایک مقام مودّت قرار دے گا۔"[1]

اسی طرح جب لوگوں نے اجر دینے پر آمادگی ظاہر کی تو اللہ نے فرمایا:

قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰۗ

[1] سورہ مریم آیت 96

ترجمہ: اللہ کے عظیم الشان فضل و کرم سے وابستہ کرنے کا اجر صرف یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تمام کی مکمل و محترم و باوقار وابستگیاں وابستہ کردو جو ہمہ قسم کی قربتوں کے حامل ہیں۔

یعنی المودّت سے بڑھ کر انسان کے پاس کوئی دولت ہوتی تو اللہ (وہ ہی دولت طلب فرماتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس نے المودّت ہی کو طلب کیا ہے کہ القربیٰ پر جان و مال و عزت و ناموس تک کی قربانی دینا ہی الفضل الکبیر کا اجر ہے، اگر ان میں سے کسی ایک چیز کو ان سے پیارا کیا گیا تو شرائط المودّت پورے نہ ہوں گے اور تم اجر کے چور قرار پاؤ گے۔

اس بات سے تو سارے لوگ آشنا ہیں کہ مال صدقہ ہوتا ہے جان کا، اور جان صدقہ ہوتی ہے عزت و ناموس کا، اور عزت و ناموس صدقہ ہوتے ہیں دین کا، اور ہم یہ ثابت کر آئے ہیں کہ عزت و ناموس جس وابستگی پر قربان کئے جاسکتے ہے ہوں اسے مودّت کہا جاتا ہے۔ یعنی ثابت ہوا کہ دین ہے ہی "**المودّت**"۔

"محبت اور مودت میں فرق"

اس بات کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ محبت اور مودت میں بہت فرق ہوتا ہے اس میں جو بنیادی فرق ہیں وہ درج ذیل ہیں:

پہلا فرق: یہ ہے کہ مودت کرنے کا حکم ہے یعنی اختیاری چیز ہے کیونکہ مودت ہوتی نہیں کی جاتی ہے۔ اور محبت ہو جاتی ہے اختیاری طور پر کی نہیں جاتی۔

دوسرا فرق: یہ ہے کہ محبت چونکہ اختیاری نہیں ہوتی اس لئے ہم اسے زیادہ یا کم یا ختم نہیں کرسکتے لیکن مودت کیونکہ اختیاری چیز ہے اس لئے ہم اسے ترقی دے سکتے ہیں۔ کم کرسکتے ہیں اور ختم بھی کرسکتے ہیں۔

تیسرا فرق: یہ ہے کہ محبت کیلئے ضروری نہیں کہ محبوب حُسن ظاہر کے ساتھ حُسن باطن سے بھی آراستہ ہو لیکن مودت کیلئے ضروری ہے کہ محبوب حُسن ظاہری کے ساتھ ساتھ حُسن باطنی سے بھی آراستہ ہو لہٰذا جن سے اللہ نے المودۃ کا حکم دیا ہے وہ ظاہری و باطنی ہر حُسن و کمال سے آراستہ ہیں بلکہ **حُسن مطلق** ہیں۔

چوتھا فرق: یہ ہے کہ مودت دونوں طرف سے ہوتی ہے لیکن محبت یک طرفہ ہوتی ہے۔

پانچوں فرق: محبت غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتی ہے اس کے برخلاف مودت سوچی سمجھی ہوئی وابستگی اور سپردگی ہے جو محسوس و مشہود اکتساب واستفادہ کیلئے وقوع میں لائی جاتی ہے۔ اس لئے محبت کسی سے بھی ہوسکتی ہے لیکن مودت کیلئے ہمیں ایک ڈائریکشن (Direction) دی گئی ہے اس کے علاوہ جس سے بھی مودّت کریں گے وہ باطل ہوگی۔

چھٹا فرق: یہ ہے کہ محبت کی ایک حد ہوتی اور مودّت ایک لامحدود چیز ہے۔ چونکہ اللہ نے قرآن میں صرف القربیٰ کی مودت نہیں مانگی بلکہ المودت کا حکم دیا ہے۔ مودّت پر الف لام لگنے سے المودۃ ہوا جس کے معنی مکمل و مخصوص مودّت ہوتے ہیں یعنی اپنی تمام تمنائیں، تمام خواہش، تمام امنگیں، تمام امیدیں

اور ہر قسم کا لگاؤ اور لگن ان حضراتؑ سے وابستہ کر دو گے تو الفضل الکبیر (ولایت الہیہ) اپنی انتہائی حدود تک تم سے وابستہ ہو جائے گا۔

ساتوں فرق: یہ ہے کہ المودت ایسی محبت کو کہتے ہیں کہ جو دل میں گڑی ہوئی ہو اس طرح کہ اگر اس کو نکالا جائے تو ساتھ ساتھ دل بھی باہر نکل آئے۔

آٹھوں فرق: یہ ہے کہ محبت وہ ہوتی ہے جو دل میں ہو اور ضروری نہیں کہ اس کا اظہار بھی کیا جائے۔ جبکہ المودت وہ ہوتی ہے جو دل میں ہو اور لازماً اُس کا اظہار بھی کیا جائے۔

محبت کی ضد **بغض** ہے اور **مودت** کی ضد **عداوت** ہے۔ **بغض** اُس دشمنی کو کہتے ہیں جو دل میں ہو مگر ظاہر نہ کی جاتی ہو اور **عداوت** اُس دشمنی کو کہتے ہیں جو دل میں ہو اور اُس کا اظہار بھی کیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ خطبہ غدیر میں رسول اللہ نے اللہ سے دشمنِ علیؑ کیلئے بغض نہیں مانگا بلکہ عداوت مانگی اور فرمایا" وَعادِ مَنْ عاداهُ "پروردگار تو اس سے عداوت کرنا جو علیؑ سے عداوت کرے۔[1]

پس جان لینا چاہیے کہ جو شخص علیؑ سے بغض رکھے وہ تو ہو سکتا ہے کہ دنیا میں بچ جائے اور آخرت میں جا کر بھگتے۔ لیکن جو علیؑ سے عداوت رکھتا ہے وہ دنیا میں بھی بھگتے گا اور آخرت میں بھی۔۔

---

[1] بحار الانوار جلد 37 صفحہ 126

نوٹ: عزادارانِ سید الشہداء" بھی المودۃ فی القربیٰ کی اُجرت ادا کرتے ہوئے، الفضل الکبیر (ولایت و حکومت الٰہیہ) سے اپنے انتہائی حدود تک وابستگی کیلئے اپنے مال و جان اور عزت و ناموس کو قربان کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے یہی نصرت امامؑ ہے اور یہی دین ہے۔

العجل العجل یاوارث عزاء

عشق

دوستوں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مودّت کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

مودّت قصدی

مودّت غیر قصدی

اول: **مودّت قصدی** یہ ہوتی ہے کہ انسان اپنے مالک و محسن کے احسانات اور فرائض کو دیکھتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی جان و مال اور عزت و ناموس تک کی قربانی دیتا ہے مگر اس میں وہ اپنے فرائض کو سمجھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی یہ قربانیاں پیش کر دیتا ہے حالانکہ اس میں اُسے وہ خوشی نہیں ہوتی جو ہونی چاہیے۔ اسے عربی میں "مودّت" کہتے ہیں اور عرفا اسے (مودّتِ قصدی) کا نام دیتے ہیں۔

دوم: **مودّت غیر قصدی** وہ ہوتی ہے کہ جو انتہائی شوق و اشتیاق میں جان و مال اور عزت و ناموس تک کو قربان کرنے پر آمادہ کرے، اس مودّت غیر قصد کو عربی میں "**عشق**" کہتے ہیں۔

عشق کی تعریف: عربی ادب میں لفظ **عشق**، عَشَقَ کے مادہ سے ماخوذ ہے اور عشق دیوار میں چپکنے والی ایک بیل کا نام ہے جو نمو کے ساتھ آگے بڑھتی جاتی ہے اور دیوار کو اپنی جکڑ میں لے لیتی ہے اور بڑھتی جاتی ہے۔ اس طرح عشق! عاشق دل و دماغ، ظاہر و باطن میں ایک ٹھوس وحدت پیدا کر دیتا ہے۔ جو اسے تمام چیزوں سے لاپرواہ و بے بنیاد بنا دیتا ہے اور اسے ایک ہی جگہ پر لا کھڑا کر تا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی شخصیت کو بھی فراموش کر کے پوری طرح معشوق میں کھو جاتا ہے۔

"مودت اور عشق میں فرق"

پہلا فرق: یہ ہے کہ عقل و شرع کے حکم سے جذباتی اٹیچ منٹ(Attachment) یا لگاؤ کے بغیر قربانیاں دینا مودّت ہے اور بھرپور جذباتی انداز میں انتہائی کمال شوق سے قربانیاں دینا مودّت نہیں بلکہ عشق ہے۔

دوسرا فرق: یہ ہے کہ مودّت کرنا پڑتی ہے۔ اور عشق کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ یہ مالک ؑ کی عطاء ہوتا ہے۔

تیسرا فرق: یہ ہے کہ **مؤدّت عشق کی ابتدا ہے اور عشق مودّت کی انتہا کا نام ہے۔**

اس لئے ہمیں مودت کرنے کا حکم ہوا ہے "عشق" کرنے کا نہیں۔ کیونکہ یہ کرنے سے ہوتا ہی نہیں بلکہ عطاء ہو جاتا ہے۔

"عشقِ مجازی اور عشقِ حقیقی"

عشق مجازی کو جنسی و مادی یا جسمانی بھی کہتے ہیں یہ دائمی نہیں ہوتا۔ یہ عارضی و وقتی ہوتا ہے۔

دوستو! یہ بات بھی یاد رکھنا چاہیے کہ انسان کی مودّت اور عشق **منفی** بھی ہوتے ہیں اور **مثبت** بھی ہوتے ہیں۔ یعنی اگر راہ حق پر مالکان حقیقیؑ سے عشق ہو تو وہ عشق الٰہی قرار پاتا ہے اور اگر کسی غیر اللہ کا عشق ہو!

1: جیسا کہ مولا امیر المومنینؑ نے فرمایا:

مَن عَشِقَ شَيئا أعشى بَصَرَهُ و أمرَضَ قَلبَهُ ، فَهُوَ يَنظُرُ بِعَينٍ غَيرِ صَحِيحَةٍ ويَسمَعُ بِاُذُنٍ غَيرِ سَمِيعَةٍ ، قَد خَرِقَتِ الشَّهَواتُ عَقلَهُ و أماتَتِ الدُّنيا قَلبَه

جس نے کسی چیز سے عشق کیا اُس نے اُسے اندھا بنا دیا اور اس کے دل کو بیمار کر دیا۔ وہ صحیح نظر سے نہیں دیکھتا اور بہروں کی طرح سنتا ہے۔ اس کی شہوتوں نے اس کی عقل کو پارہ پارہ کر دیا ہے اور دنیا نے اس کے قلب کو مردہ کر دیا ہے۔[1]

---

[1] میزان الحکمہ جلد 2 صفحہ 907

2: جیسے مولا جعفر صادقؑ نے فرمایا جب مفضل بن عمر نے مولاؑ سے سوال کیا **عن العشق**؟

عشق کے بارے میں دریافت کیا پس مولاؑ نے فرمایا:

عن المفضل قال: سألت أبا عبد الله علیه السلام عن العشق قال: قلوب خلت عن ذكر الله،

فأذاقها الله حب غيره

ترجمہ: جو دل یادِ خدا سے خالی ہوتے ہیں خدا انہیں اپنے غیر کی محبت کا مزا چکھا دیتا ہے۔[21]

"پاک دامن عاشق"

1: كنز العمّال عن ابن عبّاس عَن رَسولِ اللهِ صلى الله علیه و آله: خِيارُ امَّتِى

الَّذينَ يَعِفّونَ إذا آتاهُمُ اللهُ مِنَ البَلاءِ شَيئاً قالوا: وأيُّ البَلاءِ؟ قالَ: العِشق

ترجمہ: ابن عباس نے رسول اللہؐ سے نقل کیا ہے: میری امت کے بہترین لوگ وہ اشخاص ہیں کہ جب اللہ انہیں کسی معمولی بلا میں مبتلا کرتا ہے تو وہ پاک دامنی اختیار کرتے ہیں۔ اصحاب نے کہا: کس بلا میں؟

---

[1] کلمہ عشق صفحہ 12

[2] علل الشرائع جلد 1 صفحہ 140

فرمایا: **عشق** میں۔۔[1]

2: رسول اللہؐ نے فرمایا: العِشقُ مِن غَیرِ ریبَۃٍ کفَارَّۃٌ لِلذُّنوبِ

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا"پاک دامن عشق گناہوں کا کفارہ ہے۔[2]

3: رسول اللہؐ نے فرمایا: مَن عَشِقَ وکَتَمَ وعَفَّ وصَبرَ، غَفَرَ اللہُ لَہُ وأدخَلَہُ الجَنَّۃَ

ترجمہ: رسول کریمؐ فرمایا: جس شخص نے عشق کیا اور اسے چھپائے رکھا اور پاک دامن رہا، صبر سے کام لیا تو اللہ اسے بخش دے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔[3]

4: رسول اللہؐ نے فرمایا: مَن عَشِقَ فَکَتَمَ وَعَفَّ فَماتَ فَھُوَ شَھیدٌ

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا! وہ جس نے عشق کیا اور اسے چھپائے رکھا اور پاک دامن رہا اور پھر مر گیا تو وہ شہید مرا۔[4]

---

[1] کنز العمّال: جلد 3 صفحہ 373 حدیث 7001 و صفحہ 779 حدیث 8732

[2] الفردوس جلد 3 صفحہ 94 حدیث 4266

[3] کنز العمّال: جلد 3 صفحہ 373 حدیث 7002

[4] کنز العمّال: جلد 3 صفحہ 372 حدیث 7000

"عشق حقیقی"

عشق حقیقی دائمی ہوتا ہے۔ اس کو عشقِ روحانی بھی کہتے ہیں۔ انسان کا حقیقی معشوق ایک ماوراو طبعی حقیقت ہے جس سے انسان کی روح مل جاتی ہے اور اس کو پالیتی ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ **حقیقی معشوق عاشق کے باطن میں ہوتا ہے۔** عاشق میں ایک زبردست عشق کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے عاشق اس کیفیت کو اپنی روح میں پہناں کر لیتا ہے اور اُس کے اتصال و تصور میں خوش رہتا ہے اور اپنے تصور و اتصالِ عشق کے علاوہ اور کچھ پسند نہیں کرتا۔ جیسے کہ حقیقی مومنین کی صفت اللہ نے شدید حبِ الٰہی بتائی ہے آیت دیکھیں

وَالَّـذِيْنَ اٰمَنُـوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰـهِ

ترجمہ: "اور حقیقی مومنین اللہ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں۔"[1]

اور اسی محبت شدید کو زبانِ عُرفا "**عشق**" کہتے ہیں۔ اسی ذیل میں آپ ایک حدیث بھی دیکھ لیں:

مولا امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

وإن روح المؤمن لأشد اتصالا بروح الله من اتصال شعاع الشمس بها

---

[1] سورہ بقرہ آیت 165

ترجمہ: مومن کی روح کا اتصال ورابط اللہ کی روح سے، سورج کی شعاع کا سورج سے اتصال کے مقابلے میں شدید تر ہوتا ہے۔[21]

اس لئے اب مومنین کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ "روح اللہ" کون ہے-؟؟

کیونکہ مومنین کی ارواح کو معصومینؑ کی باقی ماندہ طینت سے خلق کیا گیا اسی لئے روح اللہؑ سے اتصال ہی اللہ سے اتصال ہے اور روح اللہ سے عشق ہی اللہ سے عشق ہے۔ احادیثِ طینت کو ہم ایک الگ عنوان کے تحت پیش کریں گے دوستو! اسی ذیل میں صاحبانِ عرفان فرماتے ہیں کہ معرفت کا ماحصل محبت ہے اور محبت کا ماحصل مودّت ہے اور مودّت کی انتہا عشق ہے اور عشق ہی منزل **قلندر** ہے مراد **سالک** ہے، مقصودِ عارف ہے، طریقِ فقرا ہے، معقل عشاق ہے اور مجمل توحید ہے۔

اس لیے امام زمانہ کا ایک اسم پاک بھی ہے "اصل المشتاقینؑ" معنی دیدار کیلئے تڑپنے والے عاشقوں کی اُمید مجسم جو عشاق کی سوچ کی محور ہو۔

---

[1] اصول کافی جلد 2 صفحہ 166، عربی

[2] بحار الانوار جلد 58 صفحہ 148

"عشق کلام معصوم سے"

1:قال امیر المؤمنین : أَوّلَ مَا خَلَقَ اللہ العشق

ترجمہ:-"اللہ نے سب سے پہلے **العشق** کو خلق کیا۔"[21]

2:قالَ رَسُولُ اَللَّهِ صَلَّى اَللَّهُ عَلَيْهِ وَ آلِهِ : إِنَّ اَلْجَنَّهَ لَأَشْوَقُ إِلَى سَلْمَانَ مِنْ سَلْمَانَ إِلَى اَلْجَنَّهِ وَ إِنَّ اَلْجَنَّهَ لَأَعْشَقُ لِسَلْمَانَ مِنْ سَلْمَانَ لِلْجَنَّهِ

ترجمہ: **تحقیق سلمانؑ اتنا جنت میں جانے کا اشتیاق نہیں رکھتا کہ سلمانؑ جنت جائے لیکن جنت سلمانؑ سے کہیں زیادہ عشق رکھتی ہے کہ سلمان جنت میں آئے۔**[43]

3:علي بن إبراهيم، عن محمد بن عيسى ، عن يونس، عن عمرو بن جميع، عن أبي عب د الله عليه السلام قال: :قال رسول الله صلى الله عليه و آله

---

[1]کتاب مناقب الحق

[2]کتاب کلمہ عشق صفحہ 9 حدیث 16

[3]بحار الانوار جلد 22 صفحہ 341

[4] روضہ الواعظین جلد 2 صفحہ 282

أَفْضَلُ النَّاسِ مَنْ عَشِقَ الْعِبادَةَ فَعانَقَها وَ أَحَبَّها بِقَلْبِهِ وَ بَاشَرَهَا بِجَسَدِهِ وَ تَفَرَّغَ لها فَهُوَ لاَ يُبَالِي عَلَى مَا أَصْبَحَ مِنَ اَلدُّنْيَا عَلَى عُسْرٍ أَمْ عَلَى يُسْر

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: "لوگوں میں سے افضل ترین شخص وہ ہے جو عبادت سے عشق کرتا ہے اسے دل سے لگالیتاہے اور اسے بہتر دل سے چاہتاہے اور اس سے لپٹ جاتاہے اور اسی کا ہو جاتاہے وہ اس بات کی پروانہیں کرتاہے کہ وہ دنیامیں خوش حالی کی زندگی بسر کررہاہے یا تنگدستی کی۔ [1]

4: من طلبني وجدني، ومن وجدني عرفني، ومن عرفني أحبّني، ومن أحبّني عشقني وم ن عشقني عشقته ومن عشقته قتلته ومن قتلته فعليّ ديته وأنا ديته

ترجمہ: حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ "جو بھی مجھے طلب کرتاہے وہ مجھ ضرور پالیتاہے، اور جب وہ مجھے پالیتاہے تو وہ میرا عارف ہو جاتاہے، اور جو میرا عرفان حاصل کرلیتاہے وہ میرا محب بن جاتاہے، اور جو مجھ سے محبت کرتاہے وہ مجھ پر عاشق ہو جاتاہے، اور جو مجھ پر عاشق ہو جاتاہے میں بھی اُسی پر عاشق ہو جاتاہوں، اور جس پر میں عاشق ہو جاتاہوں، میں اُسے معراجِ شہادت پر پہنچادیتاہوں اور جیسے میں قتل

---

[1] اصول کافی جلد 2 صفحہ 83، عربی

کرواتاہوں اُس کی دیت (معاوضہ مجھ پر واجب ہو جاتا ہے) اور جس کی دیت میرے ذمے ہو میں خود اُس کی دیت بن جاتا ہوں۔[21]

5: حديث قدسى اذا أحب الله عبداً عشقه و عشق عليه فيقول عبدى انت عاشقى و محبّى و انا عاشق لک و محبّ لک ان اردت أو لم ترد

ترجمہ: حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ جب میں اللہ کسی کو پسند کرتا ہوں اُسے اپنا **عاشق** بنا دیتا ہوں۔ اور جو مجھ پر **عاشق** ہو جاتا ہے، پس میں اُسے کہتا ہوں اے میرے بندے! تو میرا **عاشق** اور میرا محب ہے، اور میں بھی تیرا **عاشق** اور محب ہوں! تو جو کچھ چاہتا ہے وہ بھی بتا اور جو کچھ نہیں چاہتا وہ بھی بتا۔[43]

6: سئل الصادق عن العشق؟

فقال: العشق نار تطلع على الفئده فتحرق ماسوى المحبوب

ترجمہ: مولا جعفر صادقؑ سے عشق کے بارے میں سوال ہوا کہ عشق کیا ہے؟

---

[1] نفس الرحمن في فضائل سلمان، میرزا حسین النوري الطبرسي، صفحہ 331

[2] کلماتِ مکنونہ صفحہ 80

[3] کلمہ عشق صفحہ 8 حدیث 10

[4] میراث حدیث دفتر 18 صفحہ 318

مولاؑ نے فرمایا: عشق ایک آگ ہے کہ جس کے بھی دل میں طلوع ہو جائے، سوائے محبوب کے سب کچھ جلا دیتی ہے۔[1]

7: رسول اللہ یَقولُ اللہُ تَعالی إذا کانَ الغالِبُ عَلی عَبدِی الاِشتِغالَ بی جَعَلتُ نَعیمَهُ ولَذَّتَهُ فی ذِکری ، فَإِذا جَعَلتُ نَعیمَهُ ولَذَّتَهُ فی ذِکری عَشِقَنی وعَشِقتُهُ ، فَإِذا عَشِقَنی وعَشِقتُهُ رَفَعتُ الحِجابَ فیما بَینی وبَینَهُ ، وصِرتُ مَعالِما بَینَ عَینَیهِ لا یَسهو إذا سَهَا النّاسُ ؛ اُولئِکَ کَلامُهُم کَلامُ الأَنبیاءِ ، اُولئِکَ الأَبطالُ حَقّا ، اُولئِکَ الَّذینَ إذا أرَدتُ بِأَهلِ الأَرضِ عُقوبَهً وعَذابا ذَکَرتُهُم فَصَرَفتُ ذلِکَ عَنهُم

ترجمہ: رسول اللہؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرے بندے پر میری یاد غالب آجاتی ہے تو میں اس کی خوشی ولذت کو اپنی یاد میں قرار دیتا ہوں اور جب میں اس کی خوشی ولذت کو اپنی یاد میں قرار دیتا ہوں، تو وہ مجھ سے **عشق** کرنے لگتا ہے اور میں اس سے **عشق** کرنے لگتا ہوں اور جب ہم دونوں ایک دوسرے کے عاشق ہو جاتے ہیں تو میں اپنے اور اُس کے درمیان سے پردے اٹھا دیتا ہوں اور میں اُس کی آنکھوں کے درمیان نشانی بن جاتا ہوں، جب لوگ خطا کرتے ہیں تو یہ اس سے ہوشیار رہتا ہے، ایسے

[1] کلمہ عشق صفحہ 10 حدیث نمبر 20

لوگوں کا کلام، انبیاء کا کلام ہے، در حقیقت یہی شیر دل ہیں اور جب میں زمین والوں پر عذاب نازل کرنا چاہتاہوں، توانہیں یاد کر کے عذاب نہیں کرتاہوں۔[1،2،3]

8:وقال الباقر علیه السلام خرج علي یسیر بالناس حتی إذا کان بکربلاء علی میلین أو میل تقدم بین أیدیهم حتی طاف بمکان یقال لها المقدفان فقال قتل فیها مائتا نبي و مائتا سبط کلهم شهداء، ومناخ رکاب ومصارع عشاق شهداء لا یسبقهم من کان قبلهم ولا یلحقهم من بعدهم

ترجمہ: مولا امام محمد باقرؑ نے فرمایا: "مولا علیؑ" کچھ لوگوں کے ساتھ نکلے جب کربلا میں میل یا دو میل چل چکے تو ان لوگوں سے آگے بڑھ گئے اور "مقدفان" جگہ کا طواف کیا اور فرمایا: یہاں دوسو نبی اور دوسو سبط یعنی دوسونواسے قتل کئے گئے ہیں اور وہ سب شہید ہیں۔ اور یہ اونٹوں کے بیٹھنے (یعنی قافلہ کے اترنے کی جگہ) اور یہ ایسے عاشقوں اور شہداء کی قتل گاہ ہے کہ نہ اولین میں سے کوئی ان پر سبقت لے گیا ہے اور نہ بعد والوں میں سے کوئی ان سے ملحق ہو سکے گا۔"[4]

---

[1]نہج الذکر جلد 1 صفحہ 144

[2]کنز العمال حدیث 1872

[3]کتاب محبت صفحہ 275

[4]بحار الانوار جلد 41 صفحہ 290

9:قال امیر المومنین لم یمت عِشقاً

ترجمہ: مولا امیر المومنینؑ نے فرمایا: "عشق ہر گز نہیں "مرتا"[1،2]

10: صفین سے واپسی پر مولا علیؑ زمینِ کربلا سے گزرے گھوڑے سے اترے، مٹھی بھر خاکِ کربلا اٹھائی سونگھا اور فرمایا:

وَاھاً لِتُربَتِهِ فِیهَا رَوَائِح دَمِ الْعُشَاقِ

ترجمہ: "واہ" میریؑ اس تربت کو کہ اس میں عاشقوں کے خون کی خوشبو آرہی ہے۔"[3]

11:ثم صلوات اللہ علیه یمضی الی کربلا و یکون معه عشاق الحسین صلوات اللہ علیه فیبداون بالندا یاحسین و هم یمرغون وجوههم علی تراب کربلا.

ترجمہ: پھر امام مہدیؑ کربلا میں وارد ہونگے اُن کے ساتھ امام حسینؑ کے عاشق بھی ہوں گیں۔ جو امام حسینؑ کے عاشق ہونگے وہ صدا لگائیں گیں "یا حسینؑ" اور خاکِ کربلا کو اپنے چہروں پر ملیں گیں۔[4]

---

[1] زہر الربیع جلد 2 صفحہ 96

[2] کلمہ عشق صفحہ 9 حدیث 17

[3] اسرار خاک شفا از غضنفر عباس تونسوی صفحہ 150

[4] العبرۃ الساکبۃ (ام جعفر دھینی) جلد 2 صفحہ 585

جنون

جنون: جنون کے معنی ہیں "دیوانگی"

دوستو! جب عشق بڑھ جائے تو یہ "جنون" کہلاتا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو عشق یا پیار ہوتا ہے وہ ایک طرح کا خبط ہوتا ہے، ایک طرح کا جنون ہوتا ہے، عام آدمی کی نظر میں عاشق دیوانہ ہوتا ہے، وہ قیس کی طرح دماغی طور پر ایب نارمل (Abnormal) ہوتا ہے، یعنی دنیا اُسے دیوانہ سمجھتی لیکن جو محمد و آل محمدؐ کے عشق میں مجنوں ہو جائے تو وہ دیوانہ نہیں ہوتا بلکہ دانا ہوتا ہے۔

اس جادۂ الفت کا تقاضا ہی جنوں ہے

بہلولؑ یہاں دانا ہے دیوانہ نہیں ہے

اور عام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے بابا بلھے شاہ سرکار فرماتے ہیں کہ

تینوں پاگل پاگل کہندے نے

تو آہو آہو آکھی جا

یعنی جو لوگ خود دنیا کے پیچھے پاگل ہیں وہ تمہیں پاگل کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آتا ہے وہ کسی نہ کسی خبط و جنوں میں ضرور مبتلا ہوتا ہے، کسی کو شہرت کا خبط ہوتا ہے، کسی کو زر، زن اور زمین کا اور آپ عام محافل میں لوگوں کی اس خبط و دیوانگی کا مظاہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ یعنی جو جس خبط میں مبتلا ہوتا ہے

اُس کا فیورٹ موضوع گفتگو وہی ہوتا ہے۔ اہلِ سیاست کے ساتھ بیٹھ کر دیکھیں ان کے اوڑھنا بچھونا سیاست ہوتی ہے۔ اسی طرح کبوتر بازوں، کتے، گھوڑے رکھنے والوں اور مختلف اشیاء کے خبط میں مبتلا انسانوں کا جاگتے، سوتے اُسی کے بارے میں ہذیانی انداز میں بولتے دیکھائی دیں گے۔ اور اسی بارے میں بات کرنے میں لذت ولطف محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ ایک آفاقی مسئلہ ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی جنون و خبط میں مبتلا ضرور ہو گا۔

پھر مخبوط وخابط کے درجات ہوتے ہیں کہ کون کس قدر اچھی چیز کے خبط میں مبتلا ہے اور کون کس قدر بری چیز کے خبط میں مبتلا ہے اور کتنا زیادہ جنون میں مبتلا ہے۔ اور کیا کہنے اُن کے جو محمد و آل محمدؐ کے جنون میں مبتلا ہیں یعنی "مجنون" ہیں محمد و آلِ محمدؐ کے اور حقیقت میں وہ دیوانہ دانا ہے۔

"جنون کلام معصومؑ سے"

1) قال الإمام المحقق جعفر الصادق علیه السلام العشق جنون إلهی

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: عشق اللہ کی دیوانگی ہے۔[1،2،3]

---

[1] کتاب الانوار الساطعه فی شرح الزیاره الجامعه جلد 2 صفحہ 327

[2] کلمہ عشق صفحہ 7

[3] مصابیح الدجی جلد 1 صفحہ 333

یعنی جب محمد و آل محمدؐ سے ایمان و عشق اپنی انتہا کی طرف بڑھتا ہے تو جنون الٰہی کہلاتا ہے۔

2)قال الامامؑ: لا یکمل ایمان حتی یظن الناس انه مجنون

ترجمہ: امام معصومؑ نے فرمایا: "کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا، جب تک لوگ تمہارے بارے میں یہ گمان نہ کرنے لگیں کے یقیناً تم مجنون ہو۔"[1]

3)قال رسول اللہ: اکثروا ذکر اللہ تعالی حتی یقولوا المنفقون انه مجنون

ترجمہ: رسول اللہ نے فرمایا: "تم اس کثرت سے اللہ کو یاد کرو کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ تو مجنون ہی ہو گیا ہے۔[2]

4) حسان جمال سے روایت کی گئی ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ امام جعفر صادقؑ کو اپنے کرایے کے اونٹ پر مدینہ سے مکہ جانے کیلیئے بٹھایا جب ہم لوگ مسجد غدیر پہنچے تو آپؑ نے مسجد کے بائیں طرف نظر ڈالی اور فرمایا یہی وہ جگہ ہے جہاں رسول اللہؐ نے کھڑے ہو کر فرمایا تھا (جس جس کا میں مولا ہوں، اس اس کے علیؑ مولا ہیں) پھر دوسری جانب نظر ڈالی اور فرمایا یہ وہ جگہ ہے جہاں منافقین کے خیمے اور سالم مولٰی ابی حذیفہ وابی عبیدہ جراح کے خیمے تھے جب ان لوگوں نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ وہ علیؑ کو

---

[1] احادیث فعلاًبی سند صفحہ 241 حدیث 494

[2] عین الفقر صفحہ 143

اپنے ہاتھوں پر بلند کئے ہوئے ہیں تو ان میں سے کسی نے کہاذراانکی آنکھوں کو تو دیکھو اسطرح گردش کر رہی ہیں جیسے کسی **مجنون** کی آنکھیں ہوں۔ پس جبرائیل سورہ القلم کی آیت 51-52 لے کر نازل ہوئے:

ترجمہ: اور یہ جھٹلانے والے جب ذکر کو سنتے ہیں تو تمہیں گھور گھور کر اس طرح دیکھتے ہیں جیسے یہ لوگ اپنی نگاہوں سے تمہیں راہِ راست سے ضرور پھسلا دیں گیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص تو مجنون و پاگل ہے مگر وہ تو ذکر ہے سارے جہانوں کیلئے۔۔۔۔۔[1]

5) اس حقیقت کے ذیل کتاب "آل محمدؐ کا دیوانہ بہلولؒ یگانہ" کے صفحہ 11 سے صفحہ 24 تک دیکھیں۔ یہ واقعہ بہلول دانا کے حوالے سے ہے جسے ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

"او۔۔۔! میرے خدا۔۔۔! آج پھر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔۔۔"

سرائے کا دروازہ اپنے پیچھے بند کرتے ہوئے وہب بن عمرو نے گہرا سانس لے کر کہا

بغداد شہر سے دور اس چھوٹی سی کارواں سرائے میں اس نے ایک دن کیلئے یہ کمرہ کرائے پہ لیا تھا۔ وہ آج جس کام سے شہر کے ایک مخصوص علاقے میں گیا تھا پوری کوشش کے بعد بھی وہ نہیں ہو سکا تھا۔ اس نے اپنے چہرے سے نقاب اتارا اور تھک کر ایک نشست پر بیٹھتے ہوئے بولا:

---

[1] من لایحضر الفقیہ جلد 2 صفحہ 338

"میرے اللہ! محمدؐ و آل محمدؐ کے صدقے میں ہمیں اس مہم میں کامیابی سے ہمکنار کر۔"

دروازے پر دستک ہوئی۔۔۔۔وہ اچھل کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور اس نے بند دروازے سے لگ کر پوچھا۔ ۔۔"کون ہے؟ انتظار کرو۔۔۔میں لباس تبدیل کر رہا ہوں"

"میں سرائے کا مالک ہوں۔ حضرت! مجھے معلوم کرنا ہے کہ کیا آپ کیلئے کھانے کا اہتمام کیا جائے؟ دوسری طرف سے آواز آئی۔

"نہیں۔۔۔شکریہ۔۔۔۔!تم ایسا کوئی تردد نہ کرو"--وہب بولا--وہ جانتا تھا کہ باہر کہیں بھی کھانا کھانا خطرے سے خالی نہیں تھا کہ دشمنان اھل بیتؑ زہر کو اپنا خاموش لشکر کہتے تھے۔"

اس پُر آشوب دور میں جب ہر طرف جاسوسی کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا۔ کوئی زندگی محفوظ نہیں تھی کون کب معمولی سے شک کی وجہ سے پس زنداں دھکیل دیا جائے ۔ کس کی گردن ماردی جائے ۔ کچھ پتہ نہیں تھا ۔ کوئی داد نہ فریاد وہب کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی اور اس کا دل غم سے بوجھل تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھے اور گلوگیر لہجے میں بولا ۔۔۔میرے مولاؑ۔۔ -!میرے آقاؑ- ہم مومنین کو معاف کر دیجئے کہ ہم آپ کیلئے کچھ نہیں کر سکتے ہمیں بے بس کر دیا گیا ہے۔ ہم اپنی ہی نظروں میں حقیر و ذلیل ہو گئے ہیں۔ جینا ہمارے لئے ایک تہمت ہے۔

دروازے پر دستک نے اسے چونکا دیا۔ وہ اپنے ہاتھ سے آنسو صاف کرتا دروازے کے قریب آیا۔" کون ہے"؟ اس نے پوچھا۔

"وہب یہ میں ہوں، تمہارا خلیل ، دوسری طرف سے جواب آیا۔

آواز پہچان کر وہب نے دروازہ کھول دیا ۔ وہ اندر آ گیا ۔ اس نے اپنے نام کی طرح اپنا حلیہ بھی تبدیل کر رکھا تھا۔ سب خیریت ہے ناں۔۔۔؟ وہ سلام کے بعد پوچھنے لگا۔" ہاں !۔۔۔ اس حد تک تو خیریت ہے کہ وہاں سے جان بچا کر آ گیا ہوں ۔ جہاں میرے مولا موسیٰ کاظمؑ ہزاروں سختیوں اور مصیبتوں کے ساتھ پسِ زنداں ہیں ۔ لیکن ان سے رابطہ نہیں ہو سکا ۔" وہب متاسف لہجے میں بولا۔" میں بھی مایوس لوٹا ہوں ۔ ۔۔۔ ہارون کے مصاب خاص سے بات کی تھی کہ وہ کسی طرح ہمارے مولاؑ سے ہمارا رابطہ کروا دے یا کم از کم ہمارا ایک پیغام ان تک پہنچا دے۔ اس کا جواب کیسے دینا ہے۔ وہ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ مگر اس نے معذرت کر لی۔۔۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا ۔ ہارون کو اگر اس کی بھنک بھی پڑ گئی۔ تو وہ سارے خاندان کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گا"

خلیل نے مایوسی سے بتایا۔" افسوس کہ اس امت نے اپنے پیغمبرؐ کو اس طرح اجر ادا کیا ہے کہ انؐ کے اہلبیتؑ پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ بنو امیہ کے ملعون حکمرانوں سے جو کسر رہ گئی تھی۔ وہ بنو عباس کے یہ ظالم حکمران پوری کر رہے ہیں۔ میں نے تو موسیٰ کاظمؑ مولا کے والد گرامی امام جعفر صادقؑ کا زمانہ بھی دیکھا ہے ۔ یہ میرا فخر ہے کہ میرا شمار ان کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ وہ زمانہ پھر بھی قدرے سکون تھا۔ جب ہی تو ہر طرف علوم آل محمدؐ کی شہرت تھی۔ لیکن میرے مظلوم آقا موسیٰ ابن جعفرؑ کی تو ساری جوانی اس قید خانے میں گھل گئی ہے۔" اس کی انکھوں سے مسلسل آنسو بہتے جا رہے تھے۔

"یہ سوچ کر دل خون ہوتا ہے کہ مولاؑ کو ایک ایسے تنگ و تاریک قید خانے میں رکھا گیا ہے جہاں وہ حالت رکوع میں رہتے ہیں اِن کیلئے سیدھا کھڑے ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے۔" خلیل نمناک آنکھوں سے بولا۔

"یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنے مولاؑ کے قتل نامے پر دستخط کریں۔ اس سے تو بہتر ہے کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے کاٹ لیں۔" وہب نے افسوس سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"یہ تو محض ایک بہانہ ہے ہمارے گلے کاٹنے کا۔ کیونکہ ہارون جانتا ہے کہ ہم ایسا کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ اسے ہمارا جرم بنانا چاہتا ہے تاکہ ہمارے قبیلے والوں کے سامنے ہمارے قتل کا کوئی جواز پیش کر سکے۔"

"اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ مولاؑ سے کوئی رابطہ ہو جائے۔ تو مشکل کشا کا بیٹا ہماری مشکل کا کوئی حل ضرور نکال دے گا۔۔۔ اور۔۔۔" خلیل کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں ٹھٹھک گئے۔ وہب نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پہلے کی طرح دروازے کے ساتھ لگ کر پوچھا کہ باہر کون ہے۔۔؟

"میں ہوں۔ تمہارا حبیب" خلیل کی طرح اس نے بھی اپنا اصل نام نہیں بتایا وہب اس کی آواز پہچانتا تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھول کر اسے اندر لایا۔ اور دروازہ اچھی طرح سے بند کر کے اس کے سلام کا جواب دیا اور بولا۔۔۔

"مرحبا! یا حبیب۔۔! سناؤ کوئی اچھی خبر لائے ہو۔۔ اب تو ہماری ساری امیدیں تم سے ہی وابستہ ہیں۔"

"ہاں برادر۔۔! اللہ کا شکر ہے۔۔۔ محمدؐ آل محمدؐ کے صدقے میں کچھ امید تو بندھی ہے۔ مگر زمانہ بہت پر آشوب ہے۔ دوست دشمن کی کوئی تمیز نہیں رہی۔ میں کئی راستے بدل کر یہاں تک پہنچا ہوں" حبیب نے ایک نشست پر بیٹھتے ہوئے اپنا سانس بحال کیا۔

"الحمد اللہ"۔۔۔! تمہاری اس بات نے ہمیں کچھ حوصلہ دیا ہے۔ ورنہ تو مایوسی نے ہمیں گھیر لیا تھا۔

"میں نے ان کی نگرانی پر مامور ایک زندان بان کو بھاری رشوت دے کر اس کام پر آمادہ کیا ہے کہ وہ ہمارا رقعہ امام عالی مقامؑ کی خدمت میں پہنچا دے پھر وہ جو فرمائیں گے۔ ہم اس کے پابند ہوں گے۔" حبیب نے بتایا۔

تو وہب اور خلیل کی جان میں جان آئی۔ ان کی مایوسی میں اُمید نے اپنا جلوہ دکھایا۔ وہب بولا۔" اب تمہیں اس کا خیال رکھنا ہو گا کہ جیسے ہی امام عالی مقامؑ کی بارگاہ سے کوئی جواب آئے۔ ہمیں فوراً اس کی خبر دینا۔"

"ہاں! لیکن راز داری بہت ضروری ہے۔ یہاں تو اپنا سایہ بھی دشمن نظر آتا ہے۔ اس کی طرف سے بھی تمہیں اطمینان کر لینا ہو گا کہ اس پیغام رسانی کی وجہ سے ہمارے مولاؑ پر کوئی حرف نہ آئے۔ ہماری جان جاتی ہے تو جائے۔" خلیل نے کہا "ہاں۔! میں نے اس بات کو سب سے پہلے نظر میں رکھا ہے۔ اس باب

میں پوری احتیاط سے کام لیا ہے۔ جیسے ہی مجھے کوئی پیغام ملتا ہے۔ ہم کہیں اور اکٹھے ہو کر اس سے ہدایت لیں گے۔ اب اس سرائے میں ہمیں نہیں آنا"

چند روز بعد ہی خفیہ پیغام کے ذریعے وہ تینوں مختلف راستے بدل کر کسی اور مقام پر اکٹھے ہوئے۔ سب نے ہی اس معاملے میں بہت احتیاط سے کام لیا تھا کہ کسی کو اس بات کی کانوں کان خبر نہ ہو۔ وہب اور خلیل یہ جاننے کیلئے بے تاب تھے کہ حبیب مولاؑ کی کون سی ہدایت لے کر آیا ہے۔ البتہ حبیب نسبتاً سنجیدہ تھا۔ پوری طرح تسلی کر لینے کے بعد کہ دروازے کے آس پاس کوئی کان لگائے کھڑا تو نہیں ہے۔ وہب بن عمرو نے حبیب سے سوال کر ہی لیا۔ "کیوں حبیب۔۔۔؟ سب خیریت ہے ناں ہاں۔۔۔؟ ہاں۔ برادر۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں سلامتی کے ساتھ وہاں سے نکل آیا۔ وہاں تو ہر قدم پر ایک جال پھیلا ہوا ہے۔ ہر شخص کی نگاہوں میں شک ہے یہ تو اللہ کی خاص مہربانی تھی اور مولاؑ کی نگاہ لطف وعنایت کہ میں جواب حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔۔۔۔"

الحمد اللہ! خلیل نے بے ساختہ کہا" دکھاؤ" میرے مولاؑ نے کیا فرمایا ہے۔۔۔؟

وہب کی انکھیں بھیگ گئیں۔ وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتا رہا۔ حبیب نے اپنے اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کپڑے میں لپٹی ہوئی ایک چھوٹی سی چیز نکالی خلیل کی بیقراری نے پھر اسے بولنے پر مجبور کیا۔ "کیا یہ خط ہے میرے مولاؑ کا۔" حبیب نے اسے چوم کر اپنی آنکھوں سے لگایا۔ "تم اس کو خط کہہ لو۔ ہدایت کہہ لو یا جو دل چاہے! سمجھو۔! زندان بان نے ہمارے عریضہ کے جواب میں یہی کچھ بھیجا ہے"

وہ آہستہ آہستہ کپڑے کی تہیں ہٹانے لگا۔ میں نے اسے کھول کر نہیں دیکھا۔ کیونکہ میں سمجھتاہوں کہ۔ یہ ہم سب کا مشترکہ سرمایہ ہے اور ہمیں اسے اکٹھاہی دیکھناچاہیئے۔ دونوں بیقرار آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر ان کی بیقراری حیرت میں بدلی۔ کپڑے کی تہوں کے اندر سے مٹی کی ایک ٹھیکری نکلی۔ حبیب مشعل کے قریب آیا۔ وہب اور خلیل بھی آگے بڑھے۔ تینوں کی نگاہیں ٹھیکری پر تھیں۔ جس کی تحریر مشعل کی روشنی میں واضح تھی۔ "یہ صرف ایک حرف ہے" وہب نے بے ساختہ کہا۔

حرف جیم۔۔۔۔ حبیب نے دوہرایا!

"جیم"۔۔۔! خلیل نے گہری سوچ کے ساتھ حرف کی ادائیگی اپنے ہونٹوں سے کی۔ "کچھ تم لوگوں کی سمجھ میں آیا۔۔ کہ اس ایک حرف میں ہی مولاؑ نے ہم تینوں کیلیئے کیا حکمت رکھی ہے"؟

"یقیناً اس میں حکمت ہے۔ مولاؑ لازماً ہمیں بصیرت عطاکریں گے تاکہ ہم ان کی اس ہدایت پر عمل کر سکیں۔ آئمہ ہدیٰؑ کی کوئی بات حکمت سے خالی نہیں ہوتی" وہب بن عمرو بولا۔۔۔

حبیب نے ٹھیکری لپیٹ کر اپنی جیب میں رکھ لی۔۔ اپنی اپنی سوچ میں گم تینوں آہستہ آہستہ بیٹھ گئے۔ شاید اس مکاشفے کے انتظار میں جو اس حرف کے رموز ان پر کھولے گا۔ اور وہ اپنے امامؑ کی ہدایت پر عمل کر کے راہ نجات تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ کچھ دیر تک تینوں میں سے کسی نے بات نہیں کی اور خوشی کے لہجے میں بولا "میرے ہادیؑ نے مجھے ہدایت دی ہے۔"

دونوں نے چونک کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔۔۔اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔وہ بیقراری کے لہجے میں بولا "مولاؑ کے ارسال کردہ اس ایک حرف نے مجھ پر حکمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔مجھے میرے مسئلے کا حل مل گیاہے اور میرے حق میں یقیناً یہی بہتر ہے کہ یہ میرے حالات سے مطابقت رکھتا ہے"

"وہ کیا"۔؟دونوں نے بیک زبان سوال کیا۔

حرف جیم مجھے "جبل"کا اشارہ دے رہاہے۔شمال کی جانب ایک پہاڑی سلسلے میں میری جائید ادہے میں وہیں بسیرا کروں گا تاکہ بادشاہ اور اس کے جاسوسوں کی نگاہوں سے دور رہوں۔اس مرکزی شہر میں تو اقتدار کی جنگ جاری ہے یااہل بیت رسولؐ کی مخالفت کازور ہے۔باغیوں کو تو یہ لوگ پھر بھی معاف کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔لیکن محبت آل محمدؑ ان کی نزدیک ایسا جرم ہے کہ اس میں کوئی رعایت نہیں برتی جاتی۔

"یہی تو ہمارا فخر ہے۔۔۔۔یہی ہماراذریعہ نجات ہے۔اس کے لیے تو جان بھی چلی جائے تو پرواہ نہیں ہے۔خلیل بڑے عزم سے بولا۔۔۔"بے شک تم نے حق کہا۔لیکن نفس کی حفاظت جب تک عقیدے کی حفاظت کے ساتھ ممکن ہولازمی ہے سازشوں کے اس شہر سے دور چلا جاناہی بہتر ہے۔میں ایک دوروز میں اپنے معاملات سمیٹ کر یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا پھر میرے اللہ نے چاہااور کوئی سازگار زمانہ آیا یامولاؑ کی بارگاہ سے بھی ہدایت ملی تو واپس آجائیں گے۔حبیب کہنے لگا۔۔۔خلیل نے آہ سی بھری

۔۔۔" گویا قسمت نے اب ہمارے لئے جدائی لکھی ہے۔ یاروں کی یہ صحبتیں اب خواب وخیال ہونے والی ہیں۔ یا قسمت، یا نصیب۔۔۔! نہ جانے اب ایک دوسرے سے کبھی ملنا ہو گا یا نہیں!"

"ہاں دوست۔۔! میری بصیرت مجھے کہہ رہی ہے کہ "حرف جیم سے مولا نے مجھے جلاوطنی" کا راستہ دکھایا ہے۔

حبیب درست کہہ رہا ہے۔ سازشوں کے شہر میں رہ کر کر وزیروں، امیروں کی نگاہوں سے بچ کر رہنا بہت مشکل ہے۔ اس شہر بے مر کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ جہاں ہمارے مولاؑ زندان کی سختیوں میں نہ جانے کس طرح زندہ ہیں۔

وہب بن عمرو نے اس کی بات سنی۔۔۔ لیکن کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔ وہ یوں سر جھکائے ہوئے تھا جیسے کسی گہری سوچ میں ہو۔۔۔ حبیب نے اسے چونکایا۔۔

"وہب۔۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے تم اپنے عرفان کی گہرائیوں میں غوطہ لگا رہے ہو اور ابھی تک تمہیں گوہرِ مقصود نہیں ملا" خلیل نے کہا

"تم نے صحیح اندازہ لگایا" وہب نے سر اٹھایا اور گہری سوچ سے ابھر کر بولا کہ " کبھی سوچتا ہوں کہ جو ذہن میں آ رہا ہے۔۔ وہی میرے مولاؑ کی میرے لئے ہدایت ہے مگر اس میں مجھے کچھ تامل ہے۔"

"تامل۔۔۔؟ مگر وہ کیوں "۔۔؟ دونوں نے حیرت سے سوال کیا؟

"حرف جیم" نے مجھے ایک عجیب روش کی طرف متوجہ کیا ہے مجھے وہ بہت دشوار اور نشیب و فراز سے پر معلوم ہوتی ہے پتہ نہیں میں ناچیز اس کو درست طور پر نبھا بھی سکوں گا یا نہیں پھر سوچتا ہوں کہ اگر مولاؑ نے حرف جیم سے میرے لیے بصیرت عطا کر دی ہے تو پھر اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بھی عطا کریں گے۔۔۔۔ وہب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔۔

"وہب۔۔۔۔! اب اس اسرار کو ہم پر بھی کھول دو۔ تم نے ہمارے تجسس کو نکتہ عروج پر پہنچا دیا"۔۔ خلیل بولا۔

"جیم" نے مجھ پر "جنون" کو منکشف کیا ہے۔ میرے ذہن میں پہلا اور آخری یہی خیال ہے" وہب اتنا کہہ کہ سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب تکنے لگا۔۔

"جنون"-----!! ان دونوں نے بیک زبان دوہرایا۔

"ہاں-- جنون--! یہ ایک مشکل بات ہے۔ یہ شاید کوئی بڑی آزمائش ہے۔"

"یقیناً وہب۔ ! تمہارا درجہ بڑا ہے کہ تمہیں ایک سخت امتحان میں ڈالا گیا ہے۔ تم جیسا دانشمند جس کی عقل و دانش کا معترف تمام بغداد ہے۔ تمہارے لئے جنون کے راستے پر چلنا اسی صورت میں ممکن ہو گا۔ جب تم اپنی عقل و دانش کی ہر لمحہ آزمائش کرو گے۔" خلیل نے کہا۔

حبیب نے اس کی تائید کی۔۔۔"لیکن وہب تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ہمارے مولاؑ نے تمہیں یہ ہدایت دی ہے تو تمہارا جنون ساری دنیا کے "**مجنونون**" سے علیحدہ ہو گا۔ تمہاری "دیوانگی" یقیناً فرزانگی سے بہتر ہو گی۔۔۔ تمہیں لوگ دیوانہ کہیں گے۔ مگر آل محمدؐ کا دیوان -"اہلبیتؑ" کا مجنون!!

مجھے یقین ہے کہ تم جیسا دیوانہ ساری کائنات میں کوئی اور نہیں ہو گا۔۔ جس کے سامنے بڑے بڑے دانشمند بھی سر جھکائیں گے تم جیسا یگانہ روزگار ساری دنیا میں کوئی اور نہیں ہو گا۔

"مجھے خود پر تو اتنا بھروسہ نہیں۔ جتنا اپنے امامؑ پر یقین و ایمان ہے۔ انہوں نے جو راستہ دکھایا ہے۔ وہی اس پر چلنے کی توفیق بھی دیں گے۔" وہب بن عمرو نے سر جھکا کر کہا

خلیل اور حبیب ابھی بغداد میں ہی رک گئے تھے۔ ان تینوں نے یہی طے کیا تھا کہ پہلے وہب بن عمرو اپنی نئی روش پر رواں ہو جائے۔ تو وہ دونوں بھی اپنا رخت سفر باندھ لیں گے اس دوران ان کی شہر میں موجودگی ضروری تھی تا کہ اگر وہب کو کوئی مشکل درپیش ہے۔ یا کوئی خطرہ محسوس ہو۔ تو وہ اس کا سدباب کرنے میں اس کا ساتھ دے سکیں۔ وہب چاہتا تھا کہ مولاؑ کی ہدایت پر عمل کرنے میں کوئی دیر نہ کی جائے۔ ایسا نہ ہو اس میں تاخیر ہارون الرشید کو موقع فراہم کر دے کہ وہ اپنا وار کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ اسی لئے اس نے اپنے ضروری معاملات سمیٹے۔ اپنے دونوں دوستوں کو اپنے لائحہ عمل سے آگاہ کیا اور آنے والے دن کو اپنی زندگی کے نئے دور میں داخل ہونے کیلئے چن لیا۔ بغداد کی وہ صبح بھی عام صبحوں کی طرح روشن اور دلکش تھی۔ سورج تھوڑا سا بلند ہوا۔ تو اہل بغداد بھی اپنے اپنے گھروں سے روزمرہ کے

معمولات ادا کرنے کیلئے نکل آئے۔۔ بازاروں میں خرید و فروخت ہونے لگی۔ سرکارِ دربار کے لوگ اپنے فرائض انجام دینے لگے۔ علماء مدرسوں کی جانب چلے - اور ان کے شاگرد ٹولیوں کی صورت میں بڑے ادب سے ان کے پیچھے چلنے لگے وہب نے اپنے گھر کی کھڑکی میں سے بغداد کا سارا منظر دیکھا۔ اور مسکرایا۔

آج تو اسے بغداد کی رواں دواں زندگی میں ایک نئے منظر کی تخلیق کرنی تھی۔ ایسا منظر جو چشم فلک نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ جو بغداد اور اہل بغداد کیلئے ہمیشہ باو کار ہو جانے والا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اللہ سے مدد چاہی۔ اپنے مولاؑ سے ہدایت مانگی اور اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا۔ وہ پراگندہ لباس اور بے ترتیب بالوں کے ساتھ گھر سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں اس کا عصا تھا۔ "یہ ہے میرا گھوڑا"--! اس نے نعرہ بلند کیا۔

"کوئی ہے ایسا۔۔؟ جس کے پاس اتنا شاندار گھوڑا ہو" اس نے اپنا عصا لہرایا "میں جہاں چاہونگا۔ یہ مجھے وہاں لے کر جائیگا"۔ وہ اپنے عصا پر گھوڑے کی طرح سوار ہو گیا۔ ہٹو بچو کی صدائیں لگاتا۔ وہ ہجوم بھرے راستوں پر نکل کھڑا ہوا۔ "یہ کیا۔۔۔؟ وہ جس طرف سے گزرتا۔ لوگ اسے تعجب سے دیکھنے لگتے۔ بہت سے لوگ اسے جانتے تھے کہ وہ بغداد کے اہل علم میں سے تھا۔ ہارون سے بھی اس کی قریبی رشتہ داری تھی۔ وہ ہمیشہ جبہ و دستار میں صاحب حیثیت لوگوں کی طرح رہتا تھا۔ سرکارِ دربار میں اسے کرسی ملتی تھی۔ اس کی دانشمندی اور بردباری کی وجہ سے لوگ اس مشورے لیتے تھے۔ اس کے بارے میں کوئی

یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اچانک عقل و خرد سے بیگانہ ہو جائے گا۔ اس کا شمار معزز لوگوں میں ہوتا تھا۔ لیکن یہ کیا ہوا تھا کہ وہ خود ہی ہر ایک کیلئے تماشہ بن گیا تھا۔ وہ بغداد کی سڑکوں اور گلی کوچوں میں اپنے عصار کے گھوڑے پر سوار دوڑا پھرتا تھا۔

"وہب --وہب -- ٹھہرو بات سنو" اس کے کچھ جاننے والوں نے اسے ٹھہرانا چاہا۔

مگر اس نے ان سنی کر دی۔ اس کے رشتہ داروں کو خبر ہوئی۔ تو وہ پریشانی کے عالم میں اس کے پیچھے آئے۔ لیکن وہ انہیں جل دے گیا۔ ان کے سمجھانے بجھانے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ نہ ہی وہ کسی طبیب کے پاس جانے پر رضامند ہوا۔

وہ اگر کسی سے مانوس ہوا۔ یا کسی کی جانب اس نے التفات کیا۔ تو وہ بغداد کے معصوم بچے تھے۔ وہ اس کے گھوڑے کے ساتھ دوڑ لگاتے، اس سے چہلیں کرتے اور اپنے کھیلوں میں شریک کر لیتے۔ وہ بھی ان کے ساتھ بچہ بنا ہوا۔ بچگانہ حرکتیں کر کر کے انہیں ہنساتا رہتا۔ وہ اپنے گھر سے نکلا تھا تو پھر واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے ایک خرابے کو آباد کر لیا تھا۔ جہاں وہ اپنے عصا کے گھوڑے کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ لوگ اس کی حالت دیکھ کر عبرت حاصل کرتے۔ کانوں کو ہاتھ لگاتے۔ اس کے عزیز و رشتہ دار اس کی حالت زار پر افسوس کرتے۔ لیکن کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بس صرف قیاس آرائیاں ہی تھیں۔ جن کی کوئی حد نہیں تھی۔ جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ کوئی کہتا تھا کہ ضرور وہب سے کوئی ایسی حرکت ہو گئی ہے۔ جو اللہ کو پسند نہیں آئی۔ جس کے پاداش میں اسے عقل و خرد سے بیگانہ کر دیا گیا ہے۔ کچھ کا خیال تھا کہ اسے کوئی

ذہنی بیماری ہے۔ اگر وہ کسی اچھے طبیب سے علاج کرائے تو ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اس پر رضامند نہیں ہوتا۔ کچھ حاسد ایسے تھے جو ہر بات میں اس کی ٹوہ لیتے تھے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ جو کر رہا ہے وہ کیوں کر رہا ہے؟

وہ اس کی ہر بات کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھے۔ ان کا یہی خیال تھا کہ وہ اداکاری کر رہا ہے۔ جیسے ہی وہ کوئی غلطی کرے گا وہ اس کی گرفت کرنے کیلئے تیار ہونگے۔ مگر اس کو پرواہی کب تھی۔ اس کو جو ہدایت اس کے وجدان سے عطا ہوئی تھی وہ اس پر عمل کر کے گزر رہا تھا اور بہت خوش تھا۔ جو اندیشے جو وسوسے اس روش کافور ہو گئے تھے وہ اس نئی زندگی میں یوں رچ بس گیا تھا کہ اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے ہی اسی طرح رہتا آیا۔۔۔۔ دن بھر تو اس کے ساتھی بچے کہیں نہ کہیں اس کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ البتہ رات کو وہ اپنے ٹھکانے پر تنہا ہوتا تھا۔ وہب کے دونوں ساتھی غائبانہ طور پر اس کی نگرانی کرتے رہتے کہ کہیں اس کو کوئی مشکل درپیش نہیں ہے۔ یا اسے کسی مدد کی ضرورت تو نہیں۔ جب انہوں نے اپنے طور پر اطمینان کر لیا کہ وہ اپنی اس نئی روش پر کامیابی سے چل کر بغداد کے شب و روز میں رچ بس گیا ہے۔ تو انہوں نے شب کی تاریکی میں وہب سے ملاقات کی ٹھانی رات بھیگ گئی۔ تو وہ بھیس بدل کر مختلف راستوں سے ہو کر مختلف راستوں سے اس خرابے میں پہنچے۔ جہاں آل محمدؐ کے اس دانشمند نے ڈیرہ جما رکھا تھا۔ بے در اور شکستہ دیواروں والے اس گھر کی ہلتی ہوئی چھت کے نیچے وہیں اپنے بازو کے تکیے پر بڑی چین کی نیند سو رہا ہے تھا۔ اس نے اپنی گوڑی نیچے بچھا رکھی تھی۔ کونے میں اُس کا عصاء ٹھہرا تھا۔ اور پانی پینے کا کوزہ-- انہوں نے وہب کو پکارا۔ تو وہ آنکھیں ملتا اٹھ بیٹھا۔ انہیں دیکھ کر اس کا چہرہ خوشی سے

دھمک گیا۔ اس نے کونے میں رکھاہوا چھوٹاساچراغ روشن کر لیا۔ جس کی مدہم سنہری لو نے مٹی کے مٹیالے رنگ میں سنہری پن کی آمیزش کر دی -" مرحبابرادر --مرحبا-- ہلاًوسہلاً

اس نے سلام کا جواب دینے کے بعد خوشی سے ان کا استقبال کیا۔

کیسی گزر رہی ہے وہب: خلیل نے پوچھا۔ "بہت مزے میں ہوں -بڑی موج میں ہوں۔ ---تردد نہ کوئی فکر نہ کر دو- لمبی تان کے سوتا ہوں اور ڈٹ کر جیتا ہوں۔۔ ایک دیوانے کو شہنشاہوں سے کیا غرض لیکن بادشاہوں کو تو فکر ہو گی کہ یہ دیوانہ کوئی معمولی دیوانہ نہیں ہے۔" یہ آل محمدؐ کا دیوانہ ہے۔ یہ اہلبیتؑ کا مجنون ہے"۔ حبیب مسکرا کر بولا ---یقیناً یہ خبر ہارون تک بھی پہنچی ہو گی کہ اس کا برادر مادری دیوانہ ہو گیاہے اور اس کا جاسوسی کا تمام نظام حرکت میں آ گیاہو گا۔ لیکن مجھے اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ اس راہ کی طرف میرے امامؑ نے میری رہنمائی کی ہے۔ اب وہ ہی میرے محافظ ہیں اور انہوں نے ہی اللہ کے حکم سے مجھے اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق بھی عطا کر رکھی ہے۔

بے شک ۔۔۔!تم نے حق کہاوہب۔۔۔ ہمیں تمہارے ایمان ویقین پر رشک آتاہے۔ تم ہمارے لئے بھی دعا کرو کہ ہم حفاظت سے اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جائیں۔ ہم تمہاری وجہ سے ہی رکے ہوئے تھے۔ اب تمہاری طرف سے اطمینان ہو گیاہے۔ تو انشاء اللہ ہم بھی شہر بغداد کو الوداع کہیں گے۔۔ خلیل نے قدرے اُداسی کے لہجے میں کہا۔ ہمیں یہ دوستی بہت یاد آئے گی وہب -ہمارے دل بغداد میں ہی اٹکے

رہیں گیں۔۔۔۔ کہ ہمارے مولاؑ ایک تنگ و تاریک قید خانے میں قید و بند کی سختیاں برداشت کر رہے ہیں ۔حبیب کو گریہ گلو گیر ہو رہا تھا۔

وہب نے افسردگی سے جواب دیا۔ "نہ جانے اب ملاقات ہو یا نا ہو۔۔۔۔۔؟

لیکن اللہ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔۔۔۔ ہم اچھے وقت کا انتظار کریں گیں۔۔"

"انشاءاللہ"۔۔۔ ان دونوں نے بیک زبان سے کہا اور بھیگی پلکوں اور بوجھل دلوں کے ساتھ رخصت ہو گئے۔۔۔۔

محبت کی بقا اور ارتقاء

اس مقام پر ہم ضروری مناسب جانتے ہیں کہ مختصراً ان چیزوں کا ذکر کیا جائے جو محبت کی بقا اور ارتقاء کا سبب ہوتی ہیں؟

معرفت

"پس محبت کہتے ہیں کسی کے قرب کی چاہت دل میں پیدا ہوئے اور معرفت نام ہے اس کوشش کا جو انسان اپنے محبوب سے قریب سے قریب تر ہونے کیلئے کرتا ہے۔"

کس سے آپکو کتنی محبت ہے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ اس کی کتنی معرفت رکھتے ہیں۔ قارئین جتنی جتنی معرفت بڑھتی جائے گی اتنی ہی محمد و آل محمدؐ کی محبت بڑھتی جائے گی، کیونکہ مطلوب و مقصود خداوندی یہ ہے کہ محمد و آلِ محمدؐ سے محبت رکھیں تو یقیناً اس سے مراد شدید محبت ہو گی نہ کہ معمولی محبت۔ جو کہ محبت سے شروع ہو کر جنون کی بلندی تک بلند ہوتی چلی جائے اسی لئے اپنے زمانے کے امامؑ کی معرفت حاصل کرنا اللہ نے ہم پر واجب و لازم قرار دیا ہے اور شہرہ آفاق حدیث ہے کہ

من مات ولم يعرف إمام زمانه مات ميتة جاهليه

ترجمہ: جو مر گیا اور اُسے اپنے زمانے کے امامؑ کی معرفت کا حصول نہ ہوا۔ تو وہ ایسے مرا جیسے وہ جاہلیت کی موت مر گیا ہو۔

☆**معرفت:** فعل ہے، عارف -! فاعل ہے۔ اور المعروف - مفعول ہے۔

فعل معنی کام۔۔

فاعل جس نے معرفت کے کام کو انجام دیا۔ اور معرفت کے کام کو انجام دے کر عارف کہلایا۔۔۔

مفعول جس پر فعل معرفت انجام پایا یعنی جس کی معرفت حاصل کی جائے گی یا کی گئی ہے۔ وہ المعروف ہے۔۔۔

اور یہی لفظ المعروف ہم فروع دین کی ایک فرعہ میں استعمال کرتے ہیں لیکن اس کی حقیقت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے (دراصل معروف (جسکی معرفت حاصل کی جائے) حقیقتاً اصول ہے لیکن اسے فروعات میں ڈال دیا گیا۔۔)۔

دیکھیں **"امر بالمعروف و نہی عن المنکر"**

یعنی المعروف کا حکم دینا اور المنکر سے روکنا۔

یعنی جس کی معرفت حاصل کرنے کا حکم دیا جارہا ہے وجودی کوئی ہستی ہے اور جس کے انکار کرنے کا حکم دیا کا حکم دیا جارہا ہے وہ بھی کوئی مجسم و وجودی شر ہے۔

حدیث معصومؑ نے اس حقیقت پر سے پردہ اٹھتے ہوئے "ابو حنیفہ سے مولا جعفر صادقؑ نے پوچھا: اے ابو خلیفہ تیرے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا ہے۔؟

ابو حنیفہ: اللہ جس کام پر راضی نہ ہو وہ نہی عن المنکر ہے جو اس کی اطاعت کرنا اور معصیت سے بچنا" امر بالمعروف ہے۔(یہی جواب آج کل لوگ دیتے ہیں۔)

مولا جعفر صادق نے فرمایا:" جن باتوں کا تو نے ذکر کیا ہے۔ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں ہے۔

ابو حنیفہ: پھر کیا ہے۔؟

فقال عليه السلام المعروف يا أبا حنيفة المعروف في أهل السماء، المعروف في أهل الأرض وذاك أمير المؤمنين علي بن أبي طالب عليه السلام

پس مولاؑ نے فرمایا: المعروف" اے ابو حنیفہ: المعروف آسمانوں اور زمینوں میں امیر المومنینؑ کا وجود مقدس ہے۔

ابو حنیفہ نے کہا اور المنکر؟

قال: اللذان ظلماه حقه، وابتزاه أمره، وحملا الناس على كتفه

مولا نے فرمایا: المنکر اُنؑ کے دشمنوں سے نفرت اور اُن پر تبرا کرنا ہے ۔۔۔[1]

---

[1] بحار الانوار جلد 31 صفحہ 611

نوٹ: یعنی ہر امامؑ اپنے اپنے زمانے میں امر بالمعروف کے تحت المعروفؑ ہے اور امامؑ و مولاؑ کے مقابلے میں آنے والا ہر فرد نہی عن المنکر کے تحت المنکر ہے۔ "اسی لیے امام زمانہؑ کے اسماء میں سے ایک اسم مقدس مقدس "**المعروف**" بھی ہے (اس) اسم پاک کی شرح کیلئے:

(نہج المعرفت میں اسماء المحبت کی جلد 1 صفحہ 460 دیکھیں)

حصول معرفت

اگر کوئی پوچھے کہ معرفت کیسے حاصل کی جاسکتی ہے تو اس کا مختصر ترین جواب یہ ہے کہ معرفت تین چیزوں کے ذریعے حاصل کی جاتی ہے۔

اول: علم سے۔

دوم: غور و تدبر سے۔

سوم: اپنے امامؑ کی طرف قلبی توجہ سے۔

جتنا جتنا آپ کا علم بڑھتا جائے گا۔ جتنا جتنا آپ غور و تدبر کریں گے اور جتنا جتنا آپ کا دل اپنے امامؑ کی طرف متوجہ ہوتا جائے گا اتنی اتنی آپ کی معرفت بڑھتی جائے گی اور جتنی جتنی آپ کی معرفت بڑھتی جائے گی اتنی اتنی آپ کی محبت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اور یہی ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے جسے اگر حاصل نہ کیا گیا تو پوری زندگی رائیگاں قرار پائے گی۔

معرفت کلام معصوم سے

1: مولا امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے قول خدا اھدنا الصراط المستقیم کے بارے میں فرمایا: اس سے مراد "ھو امیرالمومنین و معرفته "

یعنی صراط المستقیم سے مراد امیر المومنینؑ اور ان کی معرفت ہے۔[1]

2: قال: سمعت رسول اللّٰہ صلى الله عليه وآله وسلم يقول: سمعت اللّٰہ عزّوجلّ يقول: عليّ بن أبی طالب حجّتی علی خلقی، ونوری فی بلادی، وأمینی علی علمی، لا أُدخل النار من عرفه وإن عصانی، ولا أُدخل الجنّة من أنکره وإن أطاعنی

رسول اللہؐ فرماتے ہیں: "اللہ فرماتا ہے کہ علیؑ مخلوقات پر میری حجت، زمینوں کے درمیان میرا نور اور علم وحکمت پر میرا امین ہے۔ جس نے علیؑ کی معرفت حاصل کرلی میں اسے جہنم میں نہیں ڈالوں گا، اگرچہ وہ میری نافرمانی کرے اور جس نے علیؑ کا انکار کیا میں اسے جنت میں داخل نہیں کرونگا اگرچہ وہ میری اطاعت کرتا ہو۔"[2]

---

[1] تفسیر القمی جلد 1 صفحہ 76

[2] القطرہ من بحار جلد 1 صفحہ 180، اردو

3: وفاتحةذلک کلّه معرفتنا، وخاتمته معرفتنا

امام مولا جعفر صادقؑ فرماتے ہیں: "تمام اعمال کی ابتداء اور انتہاء ہماریؑ معرفت ہے۔"[1]

☆ یاد رہے کہ عزاداری سید الشہداءؑ بھی افضل ترین عبادت و عمل ہے جو معرفت محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ ہی قابل قبول ہے۔ اسی ذیل میں ایک حدیث دیکھتے ہیں۔

4: مولا جعفر صادقؑ نے فرمایا: لاَ یَقْبَلُ اَللّٰہُ عَمَلاً إِلاَّ بِمَعْرِفَۃٍ وَ لاَ مَعْرِفَۃَ إِلاَّ بِعَمَلٍ وَ مَنْ یَعْمَلْ دَلَّتْہُ اَلْمَعْرِفَۃُ عَلَی اَلْعَمَلِ وَ مَنْ لَمْ یَعْمَلْ فَلاَ مَعْرِفَۃَ لَہُ

ترجمہ: اللہ نہیں قبول کرتا کسی عمل کو بغیر معرفت کے اور معرفت مفید نہیں بغیر عمل۔ جس کو معرفت ہے تو وہ رہنمائی کرتی ہے عمل کی طرف اور جو عمل نہیں کرتا۔ اس کیلئے معرفت ہی نہیں۔۔[2]

---

[1] القطرہ من بحار جلد 1 صفحہ 8، اردو

[2] اصول کافی جلد 1 باب 13، حدیث 2

تحفہ

امیر المومنینؑ نے فرمایا:اَلْهَدِیَّةُ تَجْلِبُ اَلْمَحَبَّةَ

ترجمہ: تحفہ محبت لے کر آتا ہے[21]

اس لئے محمد و آل محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجنے کی تاکید کی گئی ہے کیونکہ درود ایک تحفہ ہے جو ہم ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ نذر و نیاز بھی ایک تحفہ ہے۔ غم حسینؑ میں جو آنسو ہماری آنکھوں سے جاری ہوتے ہیں، اور ماتم کے دوران جو خون ہمارے بدن سے نکلتا ہے وہ بھی ایک تحفہ ہے۔ اسی طرح علم، تعزیہ، تابوت، ذوالجناح اور ضریح کو جو بوسہ دیا جاتا ہے وہ تحفہ ہے۔ یہ تحفے محبت میں اضافہ کرتے ہیں اور یہ یاد رکھئے کہ تحفہ کبھی یک طرفہ نہیں ہوا کرتا۔ ہم جو تحفے انؑ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ ہماری حیثیت کے مطابق ہوتے ہیں اور وہ جو تحفہ وہؑ ہمیں عطا فرماتے ہیں وہ انؑ کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور اس تحفہ کو ثواب کہا جاتا ہے۔ ثواب اس بدلے کو کہتے ہیں جس میں عطا کے ساتھ ساتھ عزت و اکرام بھی شامل ہو۔

سب سے پہلا تحفہ جو انہوں نے اپنے محبوں کو دیا ہے وہ طہارتِ ولادت ہے اور یہ ایسا تحفہ ہے کہ ہم اگر کروڑوں تحفے بھی اُن کی خدمت میں نذر کر دیں تب بھی اس ایک تحفہ کا احسان نہیں اُتار سکتے۔[2]

---

[1] غرر الحکم جلد صفحہ 766

[2] کتاب محبت صفحہ 98

شکوہ

امیر المومنینؑ نے فرمایا: شکوہ محبت کیلئے زندگی ہے۔[1]

یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے اور ہر شخص اس کیفیت سے ضرور گزرتا ہے۔ یہ یاد رکھیئے شکوے کا تعلق امید اور توقع سے ہوتا ہے۔ یعنی انسان اسی سے گلہ شکوہ کرتا ہے جس سے وہ توقع رکھتا ہے۔ جس سے اسے کوئی توقع نہیں ہوتی اس سے وہ کبھی گلہ نہیں کرتا۔ جیسا کہ مرزا غالب نے کہا ہے:

جب توقع ہی اُٹھ گئی غالب

کیا کسی کا گلہ کرے کوئی

اب ہمارا اور اہلبیتؑ اطہار کا رشتہ ایسا ہے کہ ہماری تمام امیدیں اور تمام توقعات صرف انؑ سے وابستہ ہیں۔ اس لئے ہم ہر چیز انہیؑ سے مانگتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارا علم بہت محدود ہے اس لئے جب ہماری کوئی دعا بظاہر قبول نہیں ہوتی تو ہم بے قرار ہوتے ہیں اور آنسو بہا بہا کر اُن سے ضد کرتے ہیں جیسے بچہ اپنے ماں، باپ سے ضد کرتا ہے۔ شدتِ جذبات میں ہم اُن کی حکمتوں کو دھیان میں نہیں لاتے لیکن انہیں ہماری یہ ادا بھی پسند ہے کیونکہ ہمارا اُنؑ سے ضد کرنا یقیناً ہماری محبت کی بھی دلیل ہوتا ہے اور اُن کی کریمیت کی بھی۔

---

[1] حکمت ابوتراب جلد 1 صفحہ 77

کیونکہ ناز نخرے اسی سے کئے جاتے ہیں جو ناز نخرے اُٹھاتا ہو۔ کبھی کبھی وہؑ بھی ہم سے شکوہ کرتے ہیں جو اُنؑ کی ہم سے محبت کی دلیل ہوتی ہے۔

امام صادق آل محمدؑ فرماتے ہیں۔ "اگر ہمارے شیعہ استقامت سے کام لیتے تو فرشتے ان سے مصافحہ کرتے، بادل ان کے سر پر سایہ ڈالتے اور وہ آسمان و زمین سے رزق پاتے اور اللہ سے جو مانگتے وہ انہیں عطا کر دیتا۔"[1]

ذکر

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں: اَلذِّکْرُ مُجالَسَۃُ الْمَحبُوبِ

امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ "محبوب کا ذکر محبوب کے ساتھ بیٹھنے کی طرح ہے۔"[2،3]

یہ ایک حقیقت ہے اور مشاہدہ اس کی گواہی دیتا ہے کہ انسان جس سے بھی محبت کرتا ہے اسی کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ ذکر کی خاصیت یہ ہے کہ یہ غفلت کو دور کرتا ہے محبوب کی یاد کو تازہ کرتا ہے، محبت کو زندہ رکھتا ہے اور محبت کی شدت میں اضافہ کرتا ہے اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب ذکر اتنا بے چین کر دیتا

---

[1] کتاب "علی" کا شیعہ صفحہ 47 بحوالہ تحف العقول

[2] میزان الحکمت جلد 3 صفحہ 769

[3] غرر الحکم جلد 1 صفحہ 549

ہے کہ اگر کوئی اور نہ ملے تو انسان اپنے آپ سے اپنے محبوب کا ذکر کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔(ذکر و یاد کے حوالے سے اور بہت سی احادیث ہیں لیکن ہم اُسے الگ عنوان کے تحت بیان کریں گیں)

اخلاص

امیر المومنینؑ نے فرمایا: طُوبی لِمَن أخلَصَ للهِ عَمَلَهُ وعِلْمَهُ ، وحُبَّهُ وبُغْضَهُ ، وأخْذَهُ وتَرْكَهُ ، وكَلامَهُ وصَمْتَهُ ، وفِعْلَهُ وقَولَهُ

ترجمہ:- طوبیٰ ہے اُس شخص کیلئے جس نے اپنے علم و عمل، اپنی محبت و بغض اور لینے و چھوڑنے، کلام و خاموشی اور قول و فعل کو اللہ کیلئے خالص کر لیا ہو۔[1،2]

یہ بھی حقیقت ہے کہ اخلاص کے بغیر نہ محبت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔ اخلاص نام ہے خود کو تنہا کرنے کا اور محبوب کے سوا ہر چیز کو بھول جانے کا جہاں اخلاص ہوتا ہے وہاں ذاتی اغراض معدوم ہو جاتی ہیں بلکہ اپنی ذات کی نفی جاتی ہے اور انسان جو کام بھی کرتا ہے اُس کا مقصد اپنے محبوب کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ پس جیسے جیسے انسان اپنے آپ کو خالص کرتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے اپنے محبوب سے قریب تر ہوتا جاتا ہے اور یہ ہی محبت کا اصل مقصد ہوتا ہے۔

---

[1] غرر الحکم جلد 1 صفحہ 406

[2] میزان الحکمت جلد 3 صفحہ 104

اخلاص یہ ہے کہ انسان کسی کو دوست رکھے تو اپنے محبوب کیلئے اور کسی کو دشمن رکھے تو وہ بھی صرف اپنے محبوب کی خاطر اور اس کی دوستی اور دشمنی پر اس کی ذاتی خواہشات اور اغراض اثر انداز نہ ہو جیسا کہ مولا امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

من أحبنا لله، وأحب محبنا لا لعرض دنیا یُصیبها منه، وعادی عدونا لا لأحنهٍ کانت ب ینه ثم جاءِ یوم القیامه وعلیه من الذنوب مثل رمل عالج، وزبید ا لبحر، غفر الله تعالی له

ترجمہ:-"جو شخص اللہ کی خاطر ہمؑ سے اور ہمارےؑ محبوں سے محبت کرتا ہے جبکہ اس میں دنیاوی غرض نہ ہو، اور ہمارےؑ دشمنوں سے دشمنی رکھتا ہو جبکہ ان دونوں کے درمیان ذاتی دشمنی کا کوئی عمل دخل نہ ہو تو اگر وہ شخص ان اوصاف کے ساتھ واردِ محشر ہو گا تو اللہ اس کے سارے گناہ بخش دے گا اگرچہ اس کے گناہ بیابان کی ریت اور سمندر کے جھاگ کے ذرات کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔[1]

[1] القطرہ من بحار جلد 3 صفحہ 67 اردو

علم

امیر المومنینؑ نے فرمایا: العَالِمُ حَيٍّ وَ إِنْ كَانَ مَيِّتاً ، وَ الْجَاهِلُ میت وَ إِنْ كَانَ حَيّاً

ترجمہ: صاحب علم زندہ ہے اگرچہ وہ مر گیا ہو اور جاہل مردہ ہے اگرچہ وہ زندہ ہی ہو۔۔۔[1]

دوستو! محبت جمود کا شکار ہو جاتی ہے اگر علم نہ ہو۔ اور رفتہ رفتہ وہ چند رسوم تک محدود ہو کر یا مجالس میں اشک فشانی کر کے محبت کا حق ادا کر دیا اور وہ یہ نہیں جانتا کہ محبت کی مثال اُس پانی جیسی نہیں ہے جو کسی گڑھے میں جمع ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس میں تعین پیدا ہونے لگتا ہے بلکہ محبت کی مثال دریا جیسی ہے جس کا کام مسلسل بہتے رہنا اور آگے بڑھتے رہنا ہے جس میں کبھی تعین پیدا نہیں ہوتا اور ہمیشہ طاہر و مطہر رہتا ہے۔ اس حرکتِ مسلسل کو میرے مولاؑ نے زندگی سے تعبیر کیا ہے اور جمود کو موت کہا ہے۔

---

[1] میزان الحکمت جلد 6 صفحہ 685

"دشمنی"

محبت کا اہم پہلو دشمنی ہے جو محبت کے لازمی ردِ عمل کے طور پر جنم لیتی ہے۔ اور جس کے بعد محبت ایک بے معنیٰ چیز ہے یعنی جس سے محبت اُس کے دشمن سے نفرت و دشمنی لازماً ہو گی اور اُسی مقدار میں ہو گی جس مقدار میں محبت ہو گی۔ محبت، دشمنی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

جیسا کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا: أَنَّا لاَ نَنَالُ مَحَبَّهَ اَللَّهِ إِلاَّ بِبُغْضِ كَثِيرٍ مِنَ اَلنَّاسِ وَ لاَ وَلاَيَتَهُ إِلاَّ بِمُعَادَاتِهِمْ

ترجمہ: جان لو کہ اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوتی مگر یہ کہ بہت سے لوگوں کی دشمنی سے اور اس کی ولایت بھی انہی کی دشمنی سے حاصل ہوتی ہے۔[21]

اور یہی وجہ ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے کہ: إذا أرَدتَ أن تُصادِقَ رَجُلاً فَانظُر مَن عُدُوُّه

"جب تم کسی کو کسی کو دوست بنانا چاہو تو یہ دیکھو کہ اُس کا دشمن کون ہے؟[3]

[1] مستدرک الوسائل و مستنبط المسائل, جلد 12, صفحہ 238

[2] کتاب محبت 361

[3] کتاب محبت صفحہ 132

مراد یہ ہے کہ محبت کی اصل پہچان دشمنی سے ہوتی ہے۔ایسے شخص سے ضرور دوستی کرنا چاہیئے جس کا دشمن اہلبیتؑ کا بھی دشمن ہو۔اور ایسے شخص سے ہرگز دوستی نہیں کرنا چاہیئے جس کا دشمن اہلبیتؑ کا دوست ہو۔دشمنی چونکہ محبت ہی کا ردعمل ہوتی ہے اس لئے انسان کو جس شے سے جتنی شدید محبت ہو گی ،اس کے غیر سے اُتنی ہی شدید دشمنی ہو گی۔یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی دل میں دو متضاد محبتیں جمع ہو جائیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک دل میں علیؑ بھی رہتا ہو اُس کا غیر بھی رہتا ہو اسی لئے خود مولا علیؑ نے فرمایا!کہ جس کے دل میں غیر کی محبت ہے وہ ہمارا قاتل ہے۔[1]

---

[1] تفسیر فرات صفحہ 39

"دشمنی کلامِ معصومؑ سے"

1: رسول اللہؐ نے فرمایا: " من ضعف عن نصرتنا أهل البيت ولعن في خلواته أعداءَنا بلّغ اللّه صوته إلى جميع الملائكة فكلّما لعن أحدكم أعداءنا صاعدته الملائكة ولعنوا من لا يلعنهم، فإذا بلغ صوته إلى الملائكة استغفروا له وأثنوا عليه، وقالوا: اللّهمّ صلّ على روح عبدك هذا الّذي بذل في نصرة أوليائه جهده"

ترجمہ: جو کوئی ہم محمد و آل محمدؐ کی مدد سے عاجز ہو لیکن تنہائی میں ہمارے دشمنوں پر لعنت کرے تو اللہ اُس کی آواز کو فرشتوں تک پہنچاتا ہے۔ پس جب بھی وہ ہمارے دشمنوں میں سے کسی پر لعنت بھیجتا ہے تو فرشتے اُس لعنت کو اوپر لے جاتے ہیں اور جو لعنت نہیں کرتا فرشتے اُس پر لعنت کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں پر لعنت کی آواز جب فرشتوں تک پہنچتی ہے تو وہ اُس لعنت بھیجنے والے کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اُس پر درود بھیجتے ہیں۔[1]

2: امام صادق آل محمدؐ نے فرمایا: "جس نے ہمارے کسی دشمن کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا تو یقیناً اُس نے ہمارے کسی دوست کو قتل کیا"[2]

---

[1] القطرہ من بحار جلد 2 صفحہ 214، اردو

[2] معانی الاخبار صفحہ 75

3: مولا جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جس نے دنیا سے محبت کی اور ہمارے غیر سے دوستی رکھی تو اُس نے سرے سے ہمؑ سے محبت کی ہی نہیں"[1]

4: امام محمد باقرؑ نے فرمایا" اگر تمہارے باپ، دادا اور بھائی علیؑ کی **ولایت** پر کسی مخالف کی **ولایت** کو ترجیح دیں تو تم ان سے قطع تعلق کر لو اور جو ان سے قطع تعلق نہ کرے گا تو ظالم قرار پائے گا۔ نیز رسول نے فرمایا کہ جو ظالم سے محبت رکھے وہ بھی ظالم ہے۔[2]

5: امام صادق آل محمدؑ نے فرمایا: أحبب حبيب آل محمّد و إن كان فاسقا زانيا ، و ابغض مبغض آل محمد و إن كان صوّاما قوّاما

ترجمہ: " آل محمدؑ کے دوست کو دوست رکھو، اگرچہ وہ فاسق زانی اور گناہ گار شخص ہی کیوں نہ ہو۔ اور دشمن آلِ محمدؐ کو دشمن رکھو، اگرچہ وہ زیادہ نمازی اور روز دار ہی کیوں نہ ہو۔ "[3،4،5]

---

[1] تفسیر نور الثقلین جلد2 صفحہ 52

[2] تفسیر نور الثقلین جلد4 صفحہ 58

[3] بشارۃ المصطفیؐ صفحہ 143

[4] کتاب وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ جلد11 صفحہ 397

[5] القطرہ من بحار جلد2 صفحہ 80، اردو

6:مولا امام محمد باقرؑ نے فرمایا:مَنْ أَرَادَ أَنْ يَعْلَمَ حُبَّنَا فَلْيَمْتَحِنْ قَلْبَهُ فَإِنْ شَارَكَهُ فِي حُبِّنَا حُبَّ عَدُوِّنَا فَلَيْسَ مِنَّا وَ لَسْنَا مِنْهُ

ترجمہ: جو کوئی یہ جاننا چاہیے کہ وہ ہمیںؑ دوست رکھتا ہے یا نہیں تو اپنے دل کا امتحان کرے۔ اگر ہماریؑ دوستی کے ساتھ ہمارےؑ دشمن کی دوستی کو شریک رکھے تو وہ ہماراؑ نہیں اور ہمؑ اُس کے نہیں ہیں۔[1]

ان تمام فرامین معصومینؑ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محبت کا امتحان غیر سے دشمنی کے ذریعے کیا جاتا ہے لہٰذا جسے دشمنی کرنا نہیں آتا وہ ہرگز محبت نہیں کر سکتا۔

دوستوں محبت اور دشمنی کا تعلق صرف اس زمین تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ دست خلاق عالمینؑ نے جو خط بھی کھینچا ہے اُس کا رخ اپنی محبت کی طرف پھیرا ہوا ہے بلکہ ہم پر تو پھر بھی کچھ عبادات ظاہری عائد کی گئی ہیں لیکن ہزاروں مقامات ایسے ہیں جہاں سوائے محبت کے اور دشمنی کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔۔۔

امام صادق آلِ محمدؑ فرماتے ہیں: أنّ اللّٰہ خلق آدم و لا إبليس، قال: فيعرفونكم؟ قال عليه السلام: نعم، ما افترض عليهم إلّا ولايتنا والبراءة من عدوّنا

---

[1] القطرہ من بحار جلد 1 صفحہ 47 اردو

"اللہ نے اس دنیا جیسے بارہ ہزار جہان ایسے خلق فرمائے ہیں کہ وہاں کے رہنے والے یہ نہیں جانتے کہ اللہ نے آدم اور ابلیس کو پیدا کیا ہے۔

اس نے عرض کیا: کیا ان جہانوں کے رہنے والے آپ کو جاتے ہیں؟

فرمایا: ہاں! اُن پر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کے علاوہ کچھ واجب نہیں کیا گیا ہے۔۔۔[1]

---

[1] القطرہ من بحار جلد 2 صفحہ 66 اردو

باب پنجم:

"عرفانِ شہادتِ عظمیٰ" اور "عزاداری"

دوستو! اگر انسان کسی محلے یا مکان میں کسی کا مہمان ہو اور اچانک اسے کوئی آکر بتائے کہ اس گلی میں یا اس محلے میں کوئی آدمی قتل ہو گیا ہے تو خبر کے سننے سے انسان کی فطرت ہے کہ وہ چار سوال کرتا ہے یعنی جو انسان تھوڑا سا بھی شعور رکھتا ہو وہ فطرت کے عین مطابق یہ سوال ضرور کرے گا۔

1: انسان پہلا سوال کرتا ہے۔

یہ مقتول کون تھا؟

2: انسان دوسرا سوال کرتا ہے۔

قاتل کون ہیں؟

3: انسان تیسرا سوال کرتا ہے۔

وجہ عناد یا وجہِ قتل کیا تھی؟

4: انسان چوتھا سوال کرتا ہے۔

اس مقتول کا کوئی وارث بھی ہے۔؟

وہ بدلہ لے یا کس کی پیروی کرے؟

آیئے اب ہم دیکھیں کہ واقعہ کربلا کے ضمن میں ہم نے فطرت کا یہ تقاضہ کما حقہ پورا کیا بھی ہے یا نہیں؟

ممبر پر ہمیں یہ تو بتایا جاتا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے مظلوم کون تھے؟ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ظالمین کون تھے؟ مگر اگلے دو سوالوں کے بارے میں کوئی عالم یا ذاکر بات نہیں کرتا کہ ان مظلوموں کو کیوں شہید کیا گیا تھا۔؟ وجہ عناد کیا تھی؟

نہ ہی ہمارے اہل ممبر نے یہ بات ہمیں بتائی ہے اور نہ ہی ہم نے خود ان سے بھی پوچھا ہے، ہمارا حق بنتا تھا کہ ہم خود پوچھتے کہ ان مظلومینؑ کو شہید کرنے کی آخر وجہ کیا تھی؟ اور نہ ہی ہم نے از خود کوئی تحقیق و جستجو کرنے کا سوچا۔! چوتھا سوال یہ تھا کہ انسان ہر مقتول کے بارے یہ سوال کرتا ہے کہ اس کا کوئی ولی یا وارث بھی ہے یا نہیں۔؟ مگر اب ہم چاروں سوالوں پر بحث کرنے کی بجائے صرف آخری دو سوالوں کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔

☆ ان آخری دو سوالوں میں سے پہلا سوال ہے کہ یہ جو کربلا میں خون کا دریا بہایا گیا، یہ جو فخر روزگار، خوبصورت پیکر حسن و جمال جوان شہید ہوئے، یہ جو شہنشاہ کربلاؑ کو بے دردی شہید کیا گیا، ان کی شہادت کا مقصد کیا تھا: یعنی ظالمین کو ان سے کیا دشمنی تھی۔؟

دوستو! یہاں پر ہم پہلے ان لوگوں کی آراء پر تھوڑی سی بحث ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ جو اپنی کتابوں میں مقصدِ شہادت کے بارے کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں یا کبھی نہ کبھی کچھ مقررین اور مولوی ان مقاصد کو عوام

کے سامنے مجلس میں یا محفل میں بیان کرتے ہیں اور اپنی طرف سے عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ امام مظلومؑ کی قربانی کی وجوہات یہ ہیں۔ یہ کئی آراء ہیں کئی نظریات ہیں۔

(ان آراء و نظریات کو پیش کرنے کے بعد ہم بھی اپنے شعور و معرفت کے مطابق مقصد شہادت عظمی و عزاداری پر کچھ روشنی ڈالیں گے)

☆**نظریہ کفارہ ذنوب:**- ان نظریات میں سے عوامی طور پر جو نظریہ مقبول بھی ہے۔ اور زیادہ تبلیغی بھی ہے وہ یہ ہے "نظریہ کفارۃ ذنوب"

دوستو! ماضی کے مظلومینِ حق پر جہاں لاتعداد ظلم اور ہوئے۔ ان میں سب سے زیادہ ظلم یہ ہوا ہے کہ ان کی شہادت و قربانی کے مقصد کو مسخ کر دیا گیا ہے۔

ماضی میں جتنے انبیاء و رسلؑ نے قربانیاں دی ہیں۔ ان کی امت نے ان کے بعد اس قربانی کے مقاصد کو ہمیشہ مسخ کر کے پیش کیا ہے مثلاً جناب عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کے واقعہ دیکھیں، عیسائیت نے ان کے سولی چڑھنے کو حقیقت قرار دے کر اس کے مقاصد کی غلط توجیہ کی ہے اور انہوں نے نظریہ و کفارہ ایجاد کر لیا، جس کا فلسفہ انہوں نے یہ دیا ہے کہ جناب آدمؑ نے جنت میں اللہ کی نافرمانی کی تھی اور نعوذ باللہ وہ گنہگار ہو گئے تھے اور انہیں اسی وجہ سے جنت میں سے نکال دیا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے ہر آدم زادہ (ہر انسان) پیدائشی گنہگار ہوتا ہے۔ دوسری جانب صورتِ حال یہ ہے کہ اللہ عادل ہے اور وہ کسی گنہگار کو سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ کسی مجرم واقعی کو قرار واقعی سزا نہ دینا عدل کی توہین ہے اور عادل کی شان

عدل کے خلاف ہے، اس لئے اللہ پر واجب ہے کہ ہر گناہ گار انسان کو جہنم رسید کرے، مگر اسے انسانیت پر رحم آیا اور اس نے اپنے بیٹے (جنابِ عیسیٰؑ) کو جامہ انسانی میں بھیجا کہ تو انسانیت کے گناہوں کا وزن اپنے سر لے کر سب کی طرف سے سزا بھگت ہے، ہر انسان جو پیدائشی گناہ گار ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے سزا پانے سے بچ جائے، اور انہوں نے انسانیت (یعنی عیسائیت) کے سارے گناہوں کی سزا خود اٹھا کر ساری عیسائیت کو بخشوا ڈالا۔

اب ساری امت بے شک گناہ کرے اور تھوک کے حساب سے کرے، انہیں کوئی سزا نہیں ملے گی کیونکہ جناب عیسیٰؑ ایڈوانس سزا بھگت کر چلے گئے ہیں، لہذا اب جو جی چاہے کرتے رہو، صرف عیسائی ہو جاؤ پھر کوئی سزا آخرت میں نہیں ملے گی۔ آپ نے خود دیکھا ہے کہ یہ نظریہ پیدا کر کے کسی طرح جناب عیسیٰؑ کے مقصد پر ڈاکہ ڈالا گیا ہے؟ اور اس کی بنیاد بھی ایک غلط نظریہ پر قائم کی گئی ہے۔

یعنی جناب آدمؑ جو معصوم تھے اور نبیؑ تھے انہیں نعوذ باللہ گناہگار ثابت کیا ہے۔ دوسری غلطی یہ ہے کہ والدین کے گناہوں کی سزا اولاد کو دینا یہ بھی تو عدل کے خلاف ہے، جس طرح مجرم کو قرار واقعی سزا نہ دینا عدل کی توہین ہے۔ اسی طرح والدین کے جرم کی سزا اولاد کو دینا بھی تو عدل کی توہین ہے، مگر ان لوگوں کو عدل و عدالت کی توہین سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ تو اس نظریے سے گناہوں کی چھوٹ دے کر جماعت میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور آج اس کی سزا بد کرداری کے طوفان کی صورت میں ان کے سامنے ہے کہ وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں ہیں، اور نہ ان کا دین ہے اور نہ اخلاق

اچھائیاں۔ اور عیسائیت میں یہ نظریہ یہودیت کی طرف سے داخل ہوا ہے، کیونکہ ان میں قربانی کے بکرے کی اصطلاح رائج ہوئی تھی کہ انسان اپنے گناہوں کا وزن بکرے پر ڈال دیتا تھا۔

اب میں اپنی قوم کے بارے میں عرض کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے عیسائیت سے اسلام قبول کیا اور بد قسمتی سے وہ شیعہ بھی ہو گئے تھے تو ان کے عقیدے کا جزو اعلیٰ جو نظریہ و کفارہ تھا وہ پہلی صورت میں موجود تھا، مگر انہوں نے یہاں پر شیعہ مسلک میں اس نظریہ کو مشرف بہ اسلام کیا اور جناب عیسیٰ کی بجائے انہوں نے شہنشاہِ کربلاؑ کی شہادتِ عظمیٰ پر کفارہ کے نظریہ کو فٹ کر دیا اور چونکہ یہ نظریہ عوام میں مکمل مقبولیت کی صلاحیت رکھتا تھا اس لئے عوام میں سب سے زیادہ یہی نظریہ مقبول ہوا، حالانکہ یہ نظریہ تو بہت بڑا ظلم ہے، یعنی گناہ کرے ساری مخلوق اور نعوذ باللہ، حاکم بد ہن قربانی کسی مقدس ہستی سے لی جائے، یہ نظریہ باطل پر مبنی ہے۔

ہاں یہ درست ہے کہ امام مظلومؑ کی شہادت عظمیٰ کی ایک ثانوی عطا ہے۔ اصل وجہ اور مقصد نہیں ہے۔ اس قربانی کی وجہ سے نجات اور بخشش کس صورت میں ملتی ہے؟ اس پر بھی کچھ روشنی ڈالتے چلیں!

☆ دوستو! ابلیس کو انسانوں کو اغوا کرنے، ورغلانے، اُن کی آل اولاد اور مال میں شرکت کرنے کی وقت معلوم تک کھلی چھٹی، امام عالیؑ مقام امام حسینؑ کے بھروسہ پر ہی دی گئی تھی۔ اگر کربلا نہ ہوتی تو صرف صالحین اور چند گنے چنے افراد ہی جنت کے حقدار بنتے اور باقی تمام اولاد آدمؑ واصل جہنم ہوتی۔ کربلا کے واقعہ نے وقوع پذیر ہونے سے پہلے، یعنی تخلیق آدمؑ سے لے کر وقوع پذیر ہونے، اور اس کے بعد قیامت

تک، انسانیت کیلئے فلاح، بخش، نجات اور جنت کے دروازے کے چوپٹ کھول دیئے۔ کربلا جہنم اور انسانیت کے درمیان حائل ہوگئی۔ ہر نبیؑ اس معلیٰ سرزمین سے گزرا۔ اس دن کی یاد میں صعوبتیں اٹھائیں ،خود کو تکلیف میں رکھا اور قدرت نے ان کے اصلاح حال کیلئے ہمہ وقت ذمہ داریاں اٹھالیں۔ ہر شب جمعہ تمام آئمہؑ، انبیاء شہداؑء اور ملائکہؑ، امام مظلومؑ کی قبر کی زیارت اور عزاداری کیلئے حاضر ہوتے ہیں۔ اس گنبد کے نیچے دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس واقعہ کی یاد میں ایک آنسو کے عوض جہنم حرام کر دی گئی۔ اللہ کی قریب ترین ہستی جناب سیدۃ النساء العالمینؑ جنت کی عورتوں کی سردار نے یہاں تک کہہ دیا کہ "جب تک میرے بیٹے کے عزادار جنت میں نہیں جائیں گے میں ؑجنت میں نہیں جاؤں گی۔"

اور زواروں کا مقام تو کجا ان کے قدموں سے اُڑی ہوئی دھول بھی اگر کسی غیر مسلم پر پڑ جائے تو وہ بھی اس فہرست میں شامل کر دیا جاتا ہے۔

اور تو اور ساری عمر مولا علیؑ اور ان کی حکومت پر سب و شتم کرنے والا، کھلے عام عتاب مانگنے والا شخص، دریا کے کنارے بیٹھا چند لمحے صرف یہ سوچتا ہے کہ اگر اتنے پانی میں سے چند گھونٹ امام عالیؑ مقام کو دے دیتے تو کیا حرج تھا؟ صرف اس سوچ پر ہی اسے دنیا میں عذاب سے محفوظ رکھا گیا اسی طرح حضرت زہیرؑ ابن قین اور حضرت حرؑ کو دیکھ لیں، چند لمحوں میں کیسے کایا پلٹی کہ لعنت اللہ سے علیہ السلام اور لائق درود و سلام بنا دیا۔

بخشش و نجات کا یہ لا محدود پروگرام اور دائمی ہدایت کا راستہ جو امام عالیؑ مقام نے کربلا میں متعارف کرایا تھا وہ ہر دور میں موجود رہا ہے۔ آج بھی باب نجات کھلا ہے۔ انسانی ترقی کی راہیں کھلی ہیں۔

☆ اور صرف یہی نہیں مولا کریم کربلاؑ شفیع المذنبینؑ بھی ہیں

واقعی حسینؑ، رسول خداؐ سے ہیں اور رسول خداؐ، حسینؑ سے ہیں"۔ (حدیث)

مولا حسینؑ اپنے عزاداروں اور زواروں کیلئے شافع ہیں۔ سنگین ترین جرم کرنے والے لوگ بھی مولا حسینؑ سے منسلک ہو کر پروانہ جنت ہی کے نہیں، بلکہ رسولؐ کے بھائی کہلائے اور درود و سلام کے مستحق بھی قرار پائے۔ حضرت حرؑ نے نہایت سنگین جرم کیا، مگر ناصر امامؑ بنتے ہی پاسہ پلٹ گیا۔ امامؑ کے مہمان بنے، سیدۃ النساء العالمینؑ کے ہاتھ کا بنا ہوا رومال نصیب ہوا۔ جناب زہیرؑ بن قین معاویہ کی حمایت میں حجت خداؑ کے خلاف جنگ میں شامل سو فیصد جہنمی تھے۔ لیکن واہ رے سید الشہداؑ حتمی طور پر جہنمی شخص کو طاغوت کے سخت پہرے کے باوجود دن دہاڑے طاغوتی نظروں کے سامنے سے جھپٹ لیا اور اپنے رحمانی گروہ میں شامل ہونے پر جہنم ہمیشہ کیلئے حرام کر دی۔ انسانیت کی معراج اور لائق درود و سلام کا درجہ عطا فرما دیا۔

کریم کربلاؑ کی کریمی کا مزید اندازہ کریں کہ "عاشور کے روز جب تمام انصار شہید ہو چکے تھے، اس کٹھن وقت میں بھی اس شافع اور رحیم و کریم ہستی نے اعلان فرما دیا کہ اگر تم حجت خداؑ کے خون میں ہاتھ نہ رنگو

تو میں "اپنے تمام اعزہ، اقربا اور انصاران کا خون معاف کرتا ہوں" اس طرح قرآن کے وعدہ اللہ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہ ہوں" کی رحمت العالمینؐ کی حیثیت سے عملی صورت پیش کر دی۔

☆ انصاران حسینؑ نے نجات دہندہ انسانیت کے ساتھ منسلک ہو کر اور اُن کے مقاصد کے حصول کی خاطر اپنے تن، من، دھن، اعزہ و اقربا اور عزت و ناموس اپنی رضاہوں کی قربانیاں دے کر انسانیت کے انتہائی عروج کی منزل پر قدم رکھ دیئے۔ رسول اللہؐ نے انہیں اپنا "بھائی" فرمایا۔ ہر امامؑ نے شہدائے کربلاؑ پر درود بھیجا اور ہمارے لئے ایک اعلیٰ ترین مثال قائم کر دی کہ ایک خاطی (خطا کرنے والا) بھی اس رتبہ کو پہنچ سکتا ہے۔ آج بھی یہ راستے کھلے ہیں۔ اور عزاداری کے بھی تمام رنگ ہمیں اسی مقصد کے حصول کی طرف لے جانے کیلئے قائم کی گئی۔ انصاران حسینؑ آج انصاران امام العصر والزمانؑ کی راہ تک رہے ہیں۔ اسی ذیل امام محمد باقرؑ کی حدیث پیش خدمت ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے اصحابؓ سے روز عاشور فرمایا تھا۔ میںؑ آپؓ سب کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ یہ بات جان لو کہ خدا قسم ہمارےؑ خلاف جو کچھ ہوتا ہے جب یہ سب کچھ ہو جائے گا جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے گا اور جو اس کی مشیعت میں ہو گا، ہمؑ مخصوص مقام میں ٹھہریں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیںؑ اور آپ سب کو وہاں سے باہر نکال لائے گا۔ ایسی حالت میں ہمارے قائمؑ کا ظہور پر نور ہو گا۔ پس ہمارے قائمؑ سارے ظالموں سے انتقام لیں گے۔ اس وقت میں خودؑ اور آپؓ سب ان ظالموں کو ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں اور زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھیں گے اور ہم انہیں مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلا مشاہدہ کریں گے۔ ان کو طرح طرح کا عذاب دیا جا رہا ہو گا۔ اور ہم سب اس منظر کو دیکھ رہے ہوں گے۔ پس آپؑ سے سوال کیا گیا! یا ابن رسول اللہؐ آپ کے قائمؑ کون ہوں گے ؟

امام حسینؑ نے فرمایا: وہؑ میرےؑ بیٹے محمدؑ باقرؑ بن علیؑ کی اولاد میں سے ساتویں فرزند ہیں۔ ہمارے قائمؑ ہیں اور وہ حجت ہیں جو حسنؑ بن علیؑ بن محمدؑ بن علیؑ بن موسیٰؑ بن جعفرؑ بن محمدؑ ہیں اور محمدؑ میرے بیٹے علیؑ کے فرزند ہیں اور وہ ہمارے (قائمؑ) ایک لمبی مدت کیلئے غائب ہوں گے پھر ظہور فرمائیں گے اور زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔ جس طرح وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہو گی۔

نوٹ:- "نجات و بخشش اس شہادتِ عظمیٰ وعزاداری کی ایک ثانوی عطا ہے۔" یہ ہمارے مندرجہ بالا قدر تفصیلی بیان سے ثابت ہے اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ عزاداری حسینؑ کا انتہائی مقصد قیامِ ولایت حجتِ خدا امام العصر والزمانؑ ہی ہے جس کے مزید ثبوت ہم مزید آگے چل کر بیان کریں گے۔

"نظریہ تحفظ فروعات"

دوستو! اسی طرح عالم تشیع کے مقررین اور بعض علماء اور خطیب یہ تاثر دینے میں مصروف ہیں کہ امام مظلومؑ کی شہادت عظمیٰ کے واقع ہونے کا اصل مقصد صرف نماز اور روزے یا فروعات کو بچانا تھا، یعنی اتنی بڑی قربانی کا مقصد اعلیٰ صرف نماز وروزے کا تحفظ تھا۔

حالانکہ یہ مسلمہ ہے کہ نماز وروزے سے انسانی جان زیادہ قیمتی ہے، جو انسان علم الفقہ کی "الف" "بے" سے واقف ہے وہ اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کر سکتا کہ جملہ فروعات سے انسان کی زندگی بدرجہا قیمتی ہے، اور فروعات میں سے جو فرع بھی کبھی انسانی زندگی سے متصادم ہوں گی بے وقار ہو جائے گی۔ اپنی اہمیت کر ڈالے گی۔ مثلاً حج فرض ہے، انسان کے پاس مال بھی وافر مقدار میں موجود ہے مگر راستہ پر خطرہ

ہے، مسافر کی زندگی خطرے میں ہے، تو فقہ کہتی ہے کہ حج ساقط ہے۔ اسی طرح روزہ فرض ہے مگر انسان اگر بیمار ہے اور کثیر العطش (جسے پیاس کی بیماری ہو) ہے اور روزہ رکھنے سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہوتا ہے تو فقہ کہتی ہے کہ اس پر روزہ حرام ہے، ایسا روزے دار اگر روزے کے احترام میں مر جائے تو یہ خودکشی ہے، یعنی حرام موت ہے۔

اور نماز کا حال بھی یہی ہے مثلاً ایک شخص نماز صبح پڑھ رہا ہے، طلوع آفتاب سے چند سیکنڈ باقی ہیں، نماز شروع کر چکا ہے، اچانک قریبی تالاب میں سے ایک بچے کی چیخ سنائی دیتی ہے، جو کہتا ہے کہ بچاؤ بچاؤ، یعنی کوئی بچہ ڈوب رہا ہے، اور یہ نمازی تیرنا جانتا ہے مگر نماز شروع کر چکا ہے، اور حالت یہ ہے کہ اگر نماز چھوڑتا ہے تو نماز قضا ہوتی ہے اور نماز نہیں چھوڑتا تو بچہ ڈوبتا ہے۔! یہاں پر فقہ کہتی ہے کہ ایسی حالت میں نماز حرام ہے، چاہے یہ بھی معلوم نہیں کہ بچہ مسلمان ہے یا کافر، مگر نماز سے اس کی زندگی زیادہ قیمتی ہے۔ بلکہ اگر کوئی انسان دیکھے کہ ایک کتے کا پلا دریا میں ڈوب کر مر رہا ہے تو اسے ڈوبتا دیکھ کر نماز شروع کرنا جائز نہیں ہے۔ بلکہ نماز سے جاندار بچانا زیادہ اہم ہے، اس لئے نماز توڑ کر کتے کے پلے کو بچانا پڑ جائے تو بچالو، کیونکہ جاندار کی زندگی بھی فروعات سے زیادہ قیمتی ہے۔

یہی ہے دین اسلام سلامتی کا دین اس کو **ولایت** کہتے ہیں۔ جو اپنا سب کچھ قربان کر کے ہر ذی روح کے تحفظ و فلاح و ترقی کیلئے موجود و تیار رہتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نمازی نماز میں مشغول ہے اور اس کے سامنے یا نزدیک کوئی بچہ کسی پرندے کے پر نوچ رہا ہے اور یہ نمازی اس پرندے کی چیں چیں کی آواز سنتا

ہے تو فقہ کا حکم یہ ہے کہ نماز کو چھوڑ دے اور اس پرندے کو ظلم سے بچائے، اگر یہ نمازی اس طرح نہیں کرتا تو خود نماز اس نمازی پر لعنت کرتی ہے، بلکہ ملائکہ وہ نماز اس کے منہ پر مارتے ہیں۔ اب عقل سلیم خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ جن چیزوں سے ایک عام انسان کی زندگی بلکہ ایک عام جانور اور پرندے کی زندگی زیادہ قیمتی ہے کیا ان چیزوں کی خاطر امام مظلومؑ جیسی ذات کی زندگی جیسی بڑی قربانی دی جاسکتی ہے؟؟!!
یہ ایک علیحدہ بات ہے کہ شہادت عظمٰی کے اصل مقصد کے علاوہ جو فوائد ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نماز و روزے کا تحفظ بھی ہو جائے، مگر مقصدِ شہادت نماز و روزے کا تحفظ نہیں ہو سکتا، مگر یہ فروعات ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ فروعات قوانین اعمال ہیں اور حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ انسان قانون کیلئے خلق نہیں ہوا بلکہ قانون انسان کی فلاح و بہبود اور معاشرے کی اصلاح کیلئے بنایا جاتا ہے۔ اس لئے قوانین میں ہمیشہ ترمیم ہوتی رہتی ہے۔ انسان کی زندگی کے تحفظ کیلئے قانون میں استثنٰی موجود ہوتے ہیں، چاہے وہ قانون فقہ ہوں یا قانون مملکت، جس طرح قتل کی مختلف حالتوں میں مختلف سزائیں ہیں۔ اسلام نے سور اور مردار کو حرام قرار دیا ہے مگر زندگی کی اہمیت اور بقا کے پیش نظر سور کھانا بھی جائز قرار دیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسانی زندگی کو فروعات پر قربان کرنا حرام ہے۔ جب عام انسان کا اپنی زندگی کو فروعات پر قربان کرنا حرام ہے تو امامِ وقت کا سر قربان کرنا کہا جائز ہے؟

☆ اور امامؑ بھی ایسا کہ جس کے سامنے عام انسان کی نماز تو کیا خود شہنشاہ ابنیاءؐ کی نماز بھی بے حقیقت ہو جاتی ہے، جب تک یہ پشت پر سوار رہتے ہیں وہ سجدے سے سر نہیں اٹھاسکتے، پاک خاندانؑ تطہیر کے مشہور و معروف واقعات پر غور کریں تو یہ بات ثابت ہے کہ جہاں بھی شہنشاہ انبیاءؐ کی نماز میں امامت نے

مداخلت کی ہے تو نماز اپنی اہمیت کھو بیٹھتی ہے، ثبوت کیلئے چند واقعات پیش کرتا چلوں تاکہ حقیقت بے نقاب ہو جائے۔

1: ایک دن جناب امیر المومنینؑ نماز باجماعت کی اولین رکعت کے اولین حصہ میں شریک نہیں ہو سکے، ان کے پہنچنے سے قبل نماز شروع ہو چکی تھی، شہنشاہ انبیاءؐ رکوع کی حالت میں تھے، پہلی رکعت کا رکوع شروع ہوا، ادھر امیر کائناتؑ نے وضو فرمانا شروع کیا، ادھر رسول کریمؐ نے سُبحان ربی العظیم و بحمده پڑھنا شروع کیا، 38 مرتبہ تسبیح تلاوت کی، لوگ حیران ہیں کہ رکوع اتنا طولانی کیوں ہو گیا ہے؟ بعد از نماز اصحاب نے عرض کیا کہ حضورؐ! کیا سلسلہ وحی شروع ہو گیا تھا۔؟

فرمایا کہ نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم جس وقت رکوع میں پہنچے ہیں۔

إن جبرئيل ما زال واضعا يده على ركبتي فيقول :قف يا محمد حتى يجئ علي (عليه السلام) فيدرك معك الجماعة

فوراً جبرائیلؑ نازل ہوئے، انہوں نے آکر میرے زانو کو پکڑ کر عرض کیا کہ حضورؐ یہاں پر رک جائیں، جب تک آپ کے پاک بھائیؑ نماز میں شامل نہ ہوں، رکوع کو جاری رکھنا ہے۔ [21]

---

[1] مستدرک سفینۃ البحار جلد 4 صفحہ 189

[2] مجالس المنتظرین جلد 3 صفحہ 604

2: مولا امیر کائناتؑ نے اول وثانی بطور بحوالہ مخاطب ہو کر جو فرمان صادر فرمایا تھا اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں اَمَّا تَعْلَمان کیا تم دونوں جانتے نہیں ہو؟ کہ ہماری پاک دستار کے وارث امام حسنؑ وہ ذی عظمت ذات ہیں جو اکثر ایسا کرتے ہیں کہ مسجد نبوی میں صفوں کو عبور کر کے حضور اکرمؐ کے قریب پہنچ جاتے ہیں۔

وهو ساجدا حتى يركب على ظهره ويقوم النبى و يده على ظهر الحسن عليه السلام و اخرى على ركتبه حتى يتم الصلواة

یعنی پاک ناناؐ کو سجدہ میں دیکھ کر پشت پر سوار ہو جاتے ہیں، شہنشاہ انبیاءؐ جس وقت اٹھتے ہیں تو ایک ہاتھ سے پاک لخت جگرؑ کو پشت پر سنبھالتے ہیں۔ دوسرا ہاتھ زانو پر رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور اس حال میں وہ اپنی نماز مکمل فرماتے ہیں۔ کہ میرا لخت جگرؑ انؐ کی پشت پر سوار رہ جاتا ہے۔ [1]

3: خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم في إحدى صلاتي العشي الظهر أو العصر وهو حامل حسن أو حسين فتقدم النبي صلى الله عليه وسلم فوضعه ثم كبر للصلاة فصلى فسجد بين ظهري صلاته سجدة أطالها قال إني رفعت رأسي فإذا الصبي على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ساجد فرجعت في سجودي فلما قضى رسول الله صلى الله عليه وسلم الصلاة قال الناس يا رسول الله انك سجدت بين ظهري الصلاة سجدة أطلتها حتى

[1] مجالس المنتظرین جلد 3 صفحہ 583

ظننا انه قد حدث أمر أو انه يوحى إليك قال كل ذلك لم يكن ولكن ابني ارتحلني فكرهت أن أعجله حتى يقضى حاجته

سنن نسائی میں عبد اللہ بن شداد سے روایت ہے کہ اُس نے اپنے والد سے سنا کہ ایک دن رسول اللہؐ عشاء کی نماز کیلئے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ آپ نے اس وقت امام حسینؑ کو اُٹھا رکھا تھا۔ آپؐ نے اپنے شہزادےؑ کو اپنے مصلے پر بیٹھایا اور نماز کیلئے تکبیرۃ الاحرام کہی اور نماز شروع کر دی۔ آپؐ نماز پڑھا رہے تھے اور ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپؐ نے پہلی رکعت کا پہلا سجدہ کیا اور پھر دوسرا کرنا چاہا تو آپ کا یہ سجدہ بہت طولانی ہو گیا، بلکہ طوالت کی حد ہو گئی۔ راوی عبد اللہ کہتے ہیں: میرے والد نے کہا: میں نے اپنا سر سجدے سے اُٹھایا کہ کیا ہو گیا ہے؟ رسول اللہؐ نے سجدے کو کیوں طول دے دیا ہے؟ میں نے دیکھا تو آپؐ کا وہ بچہؑ آپؐ کی پشت پر سوار ہے اور آپؐ سجدے میں ہیں۔ جب میں نے رسول اللہؐ کو سجدے میں دیکھا تو میں دوبارہ سجدے میں چلا گیا۔ جب نماز مکمل ہو گئی تو لوگوں نے آپؐ سے عرض کیا : یا رسول اللہ! آپؐ نے سجدے کو بہت زیادہ طول دے دیا تھا اس کی وجہ کیا تھی؟ ہم نے سمجھا کہ آپ کو کچھ اور در پیش تھا یا پھر آپ پر وحی آ گئی تھی؟ آپ نے فرمایا: ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میرے یہ فرزندؑ میریؐ پشت پر سوار ہو گئے تھے اور مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ جلدی کروں اور انھیں اپنی پشت سے اُتار دوں۔ میںؐ نے سجدے کو طولانی کر دیا، تا کہ جب تک وہ خود نہیں اُترتے میں سجدہ

کرتا رہوں۔[21]

☆ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز تو اس گھر کی تفریح کے ساتھ متصادم ہونے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی، چہ جائیکہ سر اطہر قربان کرنے کا مقصد بن سکے حقیقت یہ ہے کہ نماز فروعات میں داخل ہے اور امامت اصول میں شامل ہے جب تک اصول درست نہ ہوں فروعات کی کوئی وقعت نہیں رہتی ہے۔ ثابت ہوا کہ مقصد شہادت عظمیٰ نماز یا روزے کو بچانا نہیں تھا بلکہ یہ **نظریہ** تو عظمت شہادت کو ختم کرنے کیلئے گھڑا گیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ درجاتی حساب سے فروعات سے انسان افضل ہے اور انسان سے اصول افضل ہیں، جب انسان فروعات کے ساتھ ٹکرلیتا ہے تو فروعات باطل ہو جاتے ہیں۔ اور جب انسان اصول کے ساتھ متصادم ہو تو انسان کی زندگی کی اہمیت وقیمت ختم ہو جاتی ہے۔

جس طرح جنگ صفین میں ظاہری کلمہ گو بہ اختلاف روایات 90 ہزار نمازی، روزہ دار مارے گئے تھے، ان کی زندگی کی کیا اہمیت باقی رہ گئی تھی؟ اور جنگ جمل میں تیس ہزار نمازی مسلمان کہلوانے والے جب اصول یعنی امامت کے ساتھ متصادم ہوئے تو قتل ہو گئے۔ انسانی زندگی کی "انسانی" حیثیت تو گر گئی اور

---

[1] مسند احمد، جلد 6 صفحہ 467

[2] تاریخ دمشق جلد 14 صفحہ 160و270

اصول کے ساتھ ٹکرا کر جو مرے وہ باطل کی موت مرے، جو کتے کی موت مرنے سے بھی بدتر ہے۔
اصول دین اس درجاتی حساب سے انسان سے افضل ہیں، پھر امامت صرف فروعات کی خاطر سر قربان کرے تو عقلی اور منطقی طور پر یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔

☆ مقصد اصلی و حقیقی جو بھی تھا، اس کے بارے حقیقی و حتمی راز تو مالک زمانہؑ کے خروج کے بعد ہی معلوم ہو گا۔

لیکن ہم اپنے علم و معرفت اور شعور کے مطابق کچھ عرض کرتے ہیں دوستو! کیونکہ کریم کربلاؑ کی شہادت صرف شہادت نہیں ہے بلکہ شہادت عظمیٰ ہے اس لیئے جوں جوں معرفت بڑھتی جائے گی درجات کے لہذا سے مقاصد سامنے آتے جائیں گیں۔

(1)

"مقاماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کی معرفت"

جب کہ بات معرفت پر ٹھہری ہے تو اولین مقاصد میں سے اہم ترین مقصد معرفت مقامات محمدؐ و آل محمدؐ بھی تھا" دلیل کے طور پر فرمان دیکھتے چلیں۔

حدثنا أحمد بن محمد و محمد بن الحسين عن الحسن بن محبوب عن علي بن رئاب عن ضريس قال قال سمعت أبا جعفر عليه السلام يقول وأناس من أصحابه حوله انى أعجب من قوم يتولوننا ويجعلوننا أئمة ويصفون بان طاعتنا عليهم مفترضة كطاعة الله ثم يكسرون حجتهم ويخصمون أنفسهم بضعف قلوبهم فينقضون حقنا ويعيبون ذلك علينا من أعطاه الله برهان حق معرفتنا والتسليم لامرنا أترون ان الله تبارك وتعالى افترض طاعة أوليائه على عباده ثم يخفى عنهم اخبار السماوات والأرض وبقطع عنهم مواد العلم فيما يرد عليهم مما فيه قوام دينهم فقال له حمران جعلت فداك يا أبا جعفر رأيت ما كان من امر قيام علي بن أبي طالب عليه السلام والحسن والحسين عليهم السلام وخروجهم وقيامهم بدين الله وما أصيبوا به من قبل الطواغيت إياهم والظفر بهم حتى قتلوا وغلبوا فقال أبو جعفر عليه السلام يا حمران ان الله تبارك وتعالى قد كان قدر ذلك عليهم وقضاه وأمضاه وحتمه ثم اجراه فتقدم على رسول الله إليهم في ذلك قام على والحسن والحسين صلوات الله عليهم ويعلم صمت من

صمت منا ولو أنهم يا حمران حيث نزل بهم ما نزل من امر الله واظهار الطواغيت عليهم سألوا الله دفع ذلك عنهم والحوا فيه في إزالة ملك الطواغيت إذا لأجابهم ودفع ذلك عنهم ثم كان انقضاء مدة الطواغيت وذهاب ملكهم أسرع من سلك منظوم انقطع فتبدد وما كان الذي أصابهم من ذلك يا حمران لذنب اقترفوه ولا لعقوبة معصية خالفوا الله فيها ولكن لمنازل وكرامة من الله أراد ان يبلغها فلا تذهبن فيهم المذاهب بك

ترجمہ: ضریس نے بیان کیا کہ انہوں نے ابو جعفرؑ سے سنا (جبکہ آپؑ کے پاس آپؑ کے کچھ ساتھی بھی تھے) بے شک میں اس قوم سے تعجب کرتا ہوں جو ہمیں اپنا متولی سمجھتے ہیں اور ہمیں امام قرار دیتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ہماری اطاعت ان پر اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے پھر وہ اپنی حجت توڑ دیتے ہیں اور اپنے دلوں کی کمزوری کی وجہ سے اپنے نفسوں سے جھگڑتے ہیں پھر وہ ہمارےؑ حق میں تقصیر کرتے ہیں اور اُس پر عیب لگاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حق کا برھان اور ہماریؑ معرفت عطاء کی ہے جو ہمارےؑ امر کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ (پھر فرمایا) وہ یہ خیال کرتے کہ اللہ تعالی نے اپنے اولیاء کی اطاعت اپنے بندوں پر لازم کر دی پھر وہ ان سے آسمانوں اور زمینوں کی خبریں بھی مخفی رکھتا ہے ان سے علم کے مواد کو قطع کر دیتا ہے جو ان پر وارد ہوتا تھا وہ علم جس سے ان کے دین کی درستگی ہے۔ حمران نے عرض کیا: یا ابو جعفرؑ میں آپؑ پر قربان جاؤں بتایئے علی ابن ابی طالبؑ اور حسنؑ و حسینؑ کا قیام کیسے ہوا اور ان کا خروج اور اللہ کے دین کیلئے قیام کرنا اور طواغیت کی طرف سے ان پر مصائب کا آنا اور مخالفین کی مدد آجاتا یہاں تک کہ وہ مغلوب اور مقتول ہوئے۔ امام ابو جعفرؑ نے فرمایا: اے حمران! اللہ

تعالیٰ نے اسی طرح ان بر مقدر فرمایا اور یہی فیصلہ کر کے جاری و حتمی کر دیا۔ پس رسول اللہؐ کو اس کا پہلے سے علم تھا اسی بنیاد پر علیؑ نے بھی قیام کیا اور حسنؑ و حسینؑ نے بھی قیام کیا اور ہم میں سے جو خاموش رہا اللہ تعالیٰ اس کو بھی جانتا تھا۔ اے حمران! جو مصیبت انہیں پہنچی اور طواغیت ان پر غالب آ گئے مگر وہ اللہ تعالیٰ سے اس مصیبت کے مل جانے کی دعا اور سوال کرتے اور ان طواغیت کے مسلط ہونے کا اقرار کرتے پس اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتا پھر طواغیت کی حکومت کا انتظام ایک منظوم کاٹی ہوئی لکڑی سے بھی جلدی ہو جاتا۔ (پھر آپؑ نے فرمایا) اے حمران! جو مصائب ان ائمہؑ پر آئے یہ کسی گناہ کی وجہ سے یا سزا کے طور پر نہیں جو انہیں اللہ کی مخالفت پر ملی ہو بلکہ اُن کی کرامت و منازل کی معرفت مقصود تھی اس لیے تم دوسرے لوگوں کے طریقوں پر نہ چلنا۔[1]

[1] بصائر درجات جلد 1 باب 5 صفحہ 345

(2)

"المودت اور تزکیہ نفس"

دوستوں شہادتِ عظمیٰ وذبح عظیم کے تمام مقاصد کو ہم لکھنا چاہیں اور اس سلسلے میں اگر تمام سمندر سیاہی بنیں، تمام اشجار قلم ہوں، تمام جن وانس لکھنے والے ہوں اور سیاہی بھی ختم ہو جائے مگر مطلب پورا نہ ہو سکے گا۔ لیکن اس کے باوجود ہم اپنے علم و معرفت اور شعور کے مطابق چند مقاصد کو ایک ایک کر کے جز وہی طور پر انہیں بیان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

دوستو! معرفت کے ذیل میں ایک اہم مقصد عرفانِ نفس یعنی تزکیہ نفس ہے اس پر بھی کچھ روشنی ڈالتے چلیں۔

ہماری قوم کے ننانوے فیصد افراد آج تک صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ حضورؐ سرور دوعالم نے بحکم کردگار امیر المومنینؑ کو خلیفہ و جانشین بنایا، مگر اکثر افرادِ امت کو پسند نہ آیا اور بعد وفات رسولؐ اس حکم سے بغاوت کر کے خلافت اجتماعی قائم کر لی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معاندِ خاندان رسالتؑ کو قوت پہنچ گئی اور انجام کار حکومت اعدائے دین اور دشمنان رسولؐ امین کے ہاتھ آئی۔ دنیا کی نظر میں یزید مجسم حیوانانیت، معائب کا پتلا نائب رسولؐ بن بیٹھا۔ اس نے دین مقدس کے احکام کے خلاف بالاعلان بغاوت کری۔ اگر امام حسینؑ نے یہ عظیم قربانی پیش نہ کی ہوتی تو ان کے نانا کا دین برباد اور لا الہ الا اللہ کا مقدس جھنڈا سر نگوں ہو جاتا۔ دین الٰہی کا سرسبز شجر جس کو رسولؐ نے لگایا، علیؑ نے اپنے خون سے سینچ کر پرورش کیا تھا

بالکل خشک ہو جاتا۔ لہذا اتمام کا لبِ لباب یہ ہے کہ حسینؑ نے اسلام کو بچالیا اور بس۔ مگر اس پر غور نہیں کیا گیا کہ وہ اسلام کیا چیز ہے جس کو حسینؑ نے اپنا سب کچھ دے کر پناہ میں لے لیا اور سب کچھ کھو کر پالیا۔

اس کیلئے ضروری ہے کہ "اسلام" کے معنیٰ پر غور کریں

"اسلام" کے معنیٰ جو بیان کئے جاتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:-

1: اطاعت کرنا اور مالک کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دینا۔

2: اپنے جان و مال کو مالک کے سپرد کر دینا یعنی اس کا بندہ مملوک بن جانا۔

3: اس سلامتی یعنی اس دین کے پیرو دنیا میں امن و آشتی سے رہیں اور آخرت میں عذاب دائمی سے مامون ہو۔

چونکہ اس مقام پر کسی ایک معنیٰ پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں، لہذا ہر ایک کا لبِ لباب دیکھ لینا چاہئیے جس کیلئے حضور اکرمؐ کی صرف ایک حدیث ہی کافی ہو گی۔ اس لئے کہ اس میں آنحضرت نے اپنی بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے

فقال (عليه السلام): إنما بعثت لأتمم مكارم الأخلاق

رسول اللہؐ کا ارشاد ہے کہ ترجمہ: میں اُس لئے بھیجا گیا ہوں کہ شریفانہ عادتوں کی تکمیل کروں۔[1]

یعنی اہل عالم کو اخلاقِ عالیہ عمل دکھلا کر سکھادوں۔ اب معنٰی اسلام پر اس حدیث کی روشنی میں نظر ڈالیں، صاف ظاہر ہو جائے گا کہ رب العزت کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے والا کیسے اخلاقِ عالیہ پر فائز ہو گا۔ اپنے نفس کو مالک حقیقی کے سپرد کر دینے والا اُس کا غلام بن جائے گا اور عبد میں آقا کی صفات کی جھلک پیدا ہو جانا لازمی ہے۔

لہذا اخلاقِ عالیہ سے متصف نظر آنا ضروری ہے جیسا کہ مولائے کائنات ؑ کا حکم ہے کہ

قال علیه السلام تخلقوا بأخلاق الله

ترجمہ: تم لوگ اپنے میں اخلاق خدا کی مشابہت پیدا کرو۔[2]

اب تیسرے معنٰی لیجئے، تو امن و سلامتی کا انحصار بھی اخلاقِ حسنہ ہی پر ہے۔

لائقِ غور امر یہ ہے کہ کج خلقی اور بد اخلاقی کا منبع کیا ہے۔ جو دنیا کا ہر فرد جانتا ہے کہ جوش و غضب، خود غرضی، ضمیر فروشی، خود نمائی، غرور، حسد، تکبر وغیرہ یعنی خیانت و شہوات حیوانیہ کا عقل پر غلبہ اور

---

[1] مکارم الاخلاق، شیخ طبرسی، صفحہ 8

[2] بحار الانوار جلد 58 صفحہ 129

ہویٰ وہوس ہی اخلاقِ رزیلہ کی مُورث اور ضاد فی الارض کا باعث ہیں۔ انہیں کو قرآن و حدیث میں بند گیِ نفس و شیطان کہا گیا ہے۔ ان سے نکل کر ہی خدا کی بند گی میں داخل ہوا جا سکتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ اصلاحِ اخلاق کا ذریعہ کیا ہے۔ اس کا حل معلوم کرنے کیلیئے اس پر نظر کریں کہ اخلاق کا اظہار عمل سے ہوتا ہے، عمل تحریک باطنی یعنی ارادۂ نفس سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ پھر ہر جذبہ کسی نہ کسی خواہش سے، خواہش خیال سے اور خیال تاثرات ماحول سے پیدا ہوتے ہیں، لہذا کسی ماحول میں رہتے ہوئے اصلاحِ اخلاق ناممکن ہے جب تک تخیلِ افراد کی اصلاح نہ ہو۔

گویا خیال کی صحت ہی اصلاحِ نفس کا ذریعہ ہے اور اصلاحِ نفس خلقِ عظیم کا منبع ہے۔ تمام ماہرین علم النفس و واقفانِ رموزِ فطرت، انبیاء و اوصیاؑ اس امر پر متفق ہیں کہ "درد و الم" اصلاح نفس کا بہترین ذریعہ اور تخیل کو صحیح کرنے کا مفید ترین آلہ ہے۔ جیسے کہ اہل مغرب کو جب قوم و ملک کے خیالات میں انقلاب پیدا کرنا ہوا تو ٹریجڈی کے فطری اثر سے کام لیا۔ یعنی غم انگیز افسانے لکھے گئے ہیں، حسرت انگیز ڈرامے تصنیف کر کے شائع کئے گئے اور اسٹیج پر عملی طور سے دکھائے گئے کیونکہ اس طریقہ کار سے حصولِ مقصد میں بسہولت کامیابی ہو جاتی ہے۔

گذشتہ صدی میں ایک انگریز اور اس کی شریکِ زندگی نے غلاموں کے مصائب سے متاثر ہو کر ایک کتاب تصنیف کی جس میں الم انگیز اور حسرت خیز واقعات پُر درد الفاظ میں بیان کئے۔ اس فسانہ غم افزا(

ٹریجڈی) کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً 30 سال کے اندر اندر قریب قریب تمام ممالک میں غلاموں کی بیع شرع قانونی جرم قرار پائی۔

اب شہادت عظمیٰ اور ذبح عظیم پر نظر کیجئے کہ قلم چوبی سے صفحہ قرطاس پر الفاظ و حروف میں سیاہی سے لکھنے کی بجائے، باغیان ریاض رسالت نے گلستان احمدی کے پھولے پھلے اشجار اور چمنستانِ علیؑ و بتولؑ کے سر سبز نونہالوں کے سر قلم کرا کر امامت و رسالت کے خون سے صفحہ روز گار پر ایسا درد انگیز واقعہ ثبت کر دیا اور یہ عظیم الشان ٹریجڈی لکھ کر سچا واقعہ عملی طور پر عالم کے اسٹیج پر رکھ دیا جس کا اثر قیامِ ارض تک باقی رہے اور کبھی زائل نہ ہو سکے۔

ٹریجڈی کا مقصد معلوم اصلاحِ تخیل ہی ہوتا ہے۔ لہذا اس سانحہ الم افزا کا مقصد تمام مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تخیل کو صحیح کرنا اور تزکیہ و اصلاح نفس بھی ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ نفس اور شیطان کی غلامی کا عالم انسانیت سے نیست و نابود ہو جانا ہے۔

اسی لئے کریم کربلاؑ، حجت خداؑ، امام عالیؑ مقام نے تمام کائنات پر تصرف رکھنے کے باوجود اپنی ذات مبارک اور خانوادہ نبوت پر اتنے مصائب اور مظلومیت کو اختیار کیا تا کہ انسانیت متوجہ ہو، قریب آئے اور اُن کے دلوں میں اس خاندان کیلئے "المودۃ" پیدا ہوتی چلی جائے۔

جو انسان آپ کی خداداد عظمتوں کے باوجود قریب نہیں آتا وہ آپؑ کی درد و الم سے پُر مظلومیت کی بنا پر قریب آ جائے اور نجاستِ باطنی سے پاک ہو جائے تا کہ اس کی نجات کا سبب بن جائے۔ نجاستِ ظاہری

پانی سے صاف ہوتی ہے جبکہ نجاست باطنی صرف و صرف محبت و مودت اور اطاعت اہل بیتؑ سے صاف ہوتی ہے۔

☆مقاصد عزاداری میں سے بھی ایک مقصد اہم درد و والم کے ذریعے طہارت باطنی اور اصلاح نفس ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ مقصد پورا ہو بھی گیا یا نہیں۔ دیگر مذاہب اور اقوام عالم کو نظر انداز کر کے صرف اسی کو دیکھ لیں کہ آیا حسینؑ کو ماننے والے، اس کو اپنا امامؑ جاننے والے بھی بندگی نفس سے آزاد ہو گئے یا نہیں۔ اس پر نظر ڈالنے سے تو نہایت حسرت و افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اصلاح نفس تو درکنار، یہاں تو اس کے بالکل برعکس یہ نظر آتا ہے کہ اسلام کو ہی خیر باد کہہ رہے ہیں یعنی ولایت الٰہیہ جو سلامتی کی سلامتی ہے۔ اور خود کو فقیر و عارف،۔ عالم و علامہ و خطیب و ذکر اور ماتمی و عزادار کہنے والے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں صرف اپنی ذات و انانیت کی تسکین کیلئے سب کام انجام دے رہے ہیں یعنی اصلاحِ نفس و تزکیہِ نفس کے ذریعہ بندگی نفس سے نکل کر بندگیِ امام زمانہؑ و نصرت مالک زمانہؑ میں داخل ہونے میں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔ دوستو! حسینؑ کی شہادت کا تذکرہ اسی لئے ہے۔

حسینیو! تم کو خونِ حسینؑ کی قسم ہے بتاؤ کیا انصارِ امام زمانہؑ کی وہ جان فروش جماعت تیار ہو چکی ہے جو محبت و مودت و عشق محمدؐ و آل محمدؐ میں قیام حکومت الٰہیہ کیلئے سب کچھ اپنی رضامندی اور خوشی خوشی قربان کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہے ؟!!!

دوستوں سب کو چھوڑ کر میرے سمیت سب اپنے اپنے باطن پر نظر کریں کہ آیا ہم اس مقصدِ حصول میں کسی حد تک کامیاب یاناکام ہیں!؟

اس خیال میں کہ وہ کریم کربلاؑ نے اپنی مظلومیت کے ذریعہ سے ہم کو طہارتِ باطنی اور اصلاحِ نفس عطا کرنے اور ہر برائی اور فتنہ وتضاد و ظاہری باطنی سے بچاناچاہتے ہیں یہ حقیر ہی منفرد نہیں بلکہ یہی خیال عرصہ دراز ایسے تمام افرادِ قوم کے ذہنوں میں چکر لگارہاہے جو ذراسا بھی نظر کرنے کے عادی اور طبع رسا رکھتے ہیں۔

"محسن عالم" کے صفحہ 13 سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

☆جناب خواجہ محمد لطیف انصاری پروفیسر موگا کالج مبلغ شیعہ تبلیغی کانفرنس پنجاب اپنے رسالہ "احیاء اسلام" میں جس کو محرم الحرام 1354 ہجری میں انجمن امامیہ قصور پنجاب نے شائع کیا۔انہیں خیالات کا اظہار فرماچکے ہیں۔

چنانچہ صفحہ 2 پر زیر عنوان "رنج والم" اخلاق حسنہ کی تعلیم وتربیت نفس کیلئے ایک زبردست ذریعہ ہے۔ اس امر کو دلائل فطری سے واضح کیاہے کہ غم انگیز قصوں کی تکرار باعث تزکیہ نفس ہے۔رسالہ احیاء اسلام صفحہ 6 سے واقعہ کربلا کے درسیاتِ روحانیت دکھلانے شروع کئے ہیں۔اسی سلسلہ میں صفحہ 8 پر نمبر 5 میں لکھتے ہیں:-

"حسینؑ کی شہادت کا تذکرہ اسی لئے ہے کہ مسلمانوں میں ایسی خدا پرست جماعت پیدا ہو جائے جسے محبت الٰہی میں کوئی چیز بھی عزیز نہ ہو۔ ایسے انسان جو منزہ عن المکان کی محبت میں قید مکان سے آزاد ہو۔

صفحہ 12 پر زیر عنوان "تلک عشرہ کاملہ" تحریر فرماتے ہیں:

حسینؑ کی شہادت گناہوں کا کفارہ نہیں بلکہ تصور گناہ کو مٹانے کیلئے ہے۔ (اقتباس ختم ہوا) یہاں خیال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا عزاداران حسینؑ کے ذہنوں سے تصورِ گناہ مٹ گیا۔ اگر نہیں مٹا تو کیوں نہیں؟

کس قدر حیرت و استعجاب غیرت و ندامت کا مقام ہے کہ ایک انگریز کے قلم کا لکھا ہوا افسانہ درد و انسداد غلامی میں کامیاب ثابت ہو مگر اولادِ رسولؐ کا قوانین واقعہ نفس و شیطان کی غلامی کے انسداد میں ناکام رہے۔ آخر اس کا سبب کیا ہے۔ کیا ہماری نظر میں خون حسینؑ کی اتنی بھی وقعت نہیں کہ ہم اس پر غور کریں اور اس کے اسباب تلاش کر کے ان حجابوں کو جو اس ٹریجڈی کے اور ہمارے درمیان حائل ہو گئے ہیں اُٹھا دینے کی کوشش کریں۔

ہم کو چاہیے کہ اب اس پر غور کریں یہ مقاصد شہادتِ عظمٰی میں سے سب سے بنیادی اور اہم ترین مقصد تو معلوم ہو چکا کہ ہم کو بندگیِ نفس و شیطان سے آزاد کرانا ہے تا کہ ہم بندگانِ خدا میں شامل ہو سکیں جو بغیر اصلاحِ نفس ممکن نہیں۔ اور اصلاح ہی سبب حصولِ جنت ہے (اب چاہے جنت کی مادی و روحانی و معنوی جتنی اقسام و درجات ہوں) لہذا بکا علی الحسین وجوبِ جنت کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حدیثِ مشہور میں وارد ہے۔

جیسا کہ حدیث مشہور میں وارد ہے:

من بکی علی الحسین و جبت لہ الجنتہ

جو روئے حسینؑ پر اس پر جنت واجب ہے۔

مگر ہم دیکھ رہے کہ ہر سال روتے ہیں، ہر مہینہ روتے ہیں ہر ہفتہ روتے مگر وجوب جنت کے آثار نظر نہیں آتے۔ یعنی اصلاح نفس اور صفائے باطن پیدا نہیں ہوتی۔ لہٰذا اب تو لازم ہو گیا کہ خون حسینؑ کی قدر کریں اور اس کا تجزیہ تلاش کریں جو ہم کو تجزیہ بکاء میں ہی مل سکتا ہے۔

☆ **البکاء:** انسان کیلئے سببِ گریہ کے صرف تین جذبات ہیں جن کا اجمالی بیان حسب ذیل ہے۔

1: **سرور:** جوشِ سرور میں آدمی اکثر رو دیتا ہے۔ یہ رونا اصلاح نفس کیلئے صرف اسی وقت مفید ہوتا ہے جب جوش مسرت میں قلب اچھلنے لگے اور اس کو استقرار ہو جائے۔ اس کو قرآن نے وجل قلب سے تعبیر کیا ہے۔ وجل قلب یعنی دل کا لرزہ خوف، شوق و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ پس اگر آلِ رسولؐ سے ظاہری اور عرفی محبت ہو جائے تو فضائل پر ہی اس قدر گریہ ہونے لگے کہ مصائب سننے کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ مگر اس کیف تک پہنچانے کیلئے کسی مقدمہ کی ضرورت ہے۔

2: **ہمدردی:** بچے کے سامنے کوئی ہنستا ہے تو وہ بھی ہنستا ہے۔ اگر کوئی روتا ہے تو وہ بھی روتا ہے۔ انسان کیلئے کسی مصیبت کا تصور، کوئی غم انگیز تخیل خواہ وہ واقعات سے پیدا ہوا ہو یا موضوعہ افسانہ سے گریہ ہوتا

ہے۔ اس میں اس کی ضرورت نہیں کہ وہ کسی پیشوائے دین کا ہی واقعہ ہو بلکہ کسی ملک و قوم کسی مذہب وملت کے افراد کا ذکر ہو۔ اگر دور انگیز اور حسرت خیز لہجے الم انگیز طرزِ ادا اور پُر درد آواز سے سنایا جائے تو سامعین کو رُلائے بغیر نہ رہے گا۔ مگر اس رونے سے نفس میں بطور ردعمل سرور پیدا ہوتا ہے اور رونے کے بعد طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ رونا اصلاح نفس کیلئے مفید نہیں ہو گا۔

دنیا میں کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو یہ نہ جانتا ہو کہ جذبات غم والم میں جو کیفیت خود اس کے اپنے ذہن پر طاری ہو جاتی ہے اور جو آثار ظاہری خود اس کے جسم پر وارد ہوتے ہیں اگر ان کی مرقع کشی کی جائے اور کوئی شخص مصنوعی طور پر ہی اپنے اوپر طاری کر کے دکھلائے تو جذبہ ہمدردی جلد ہی ہیجان میں آجاتا ہے۔ اور باعث افراط گریہ ہوتا ہے جیسا کہ ہر پُر درد ڈرامے میں تجربہ ہوتا رہتا ہے۔ چونکہ عرصہ دراز سے قوم کا تخیل یہ ہو گیا تھا کہ مجالس عزا کا مقصد مقصود رونا اور صرف رونا ہے۔ لہذا واقعات کربلا میں جذبات عامہ کی مرقع کشی اخلاق کو صحیح کرنے کے بجائے انسداد اصلاح کا باعث ہو گیا اس لئے کہ سامعین اس کو ہی حقیقت سمجھنے لگے۔

لہذا جب وہ سنتے ہیں کہ آلِ رسولؐ بھی مصائب پر مضطرب اور بے چین ہوتے تھے۔ مولا علیؑ اور نواسے رسولؐ دختر رسولؐ کی گود کے پالے بھی نام و نمود کی خواہش میں حکم امامؑ کے خلاف ناگواری کا احساس کرتے تھے کہ عَلَم کیلئے کچھ کچھ تو ضد کر ہی بیٹھے۔

علی اکبرؑ جیسی ذات بھی ماںؑ سے روٹھ گئے، حسینؑ جیسے ربِ صبر کی غمِ فرزند میں بینائی زائل ہو گئی۔ بھائی کو رخصت کرتے وقت کمر پکڑے ہوئے پیچھے پیچھے نوحہ کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ پھر بتلایئے کہ سامعین کو اپنے نفسوس کی کون سی کیفیت کی اصلاح کا خیال پیدا ہو؟ ایسی ہی کیفیات تو ان کے نفوس میں خود موجود ہیں۔ اب رہے ایثار و قربانی کے جذبات وہ تو ان مقدس ہستیوں کے لئے مخصوص سمجھے جاتے ہیں۔ پھر ایسے حالات میں تذکرہ حسینیہؑ سے نفوس کی اصلاح کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔؟ یہی وہ حجاب ہے جو خون حسینؑ اور ہمارے نفوس کے درمیان حائل ہو گیا ہے ورنہ اُس کے مظہر ہونے کا ذکر تو انجیل مقدس کے مکاشفات یوحنا میں بھی موجود ہے چنانچہ لکھا ہے:-

"پھر میں نے پہاڑ پر ایسی جماعت کو دیکھا جن کے جامے سفید تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے جامے برّہ کے خون سے دھو کر سفید کئے ہیں وہ برّہ جو بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہوا" دوسرے مقام پر سفید جامہ کی شرح بھی موجود ہے:-

"سفید جامہ سے مراد نیکو کاری اور راست بازی کے کام مراد ہیں۔ غرض یہ کہ یہ حقیقت ہے کہ اگر لباس باطنی تک خون حسینؑ کا اثر پہنچ جائے تو نجاست ہویٰ اور خباست باطنی کو اس طرح صاف کر دے جیسے پیتل پر تیزاب عمل کرتا ہے مگر مذکورہ بالا حجاب حائل ہونے سے لباس باطنی تک اس کا اثر نہیں پہنچ پاتا۔"

3: دردوالم: یہ ایسی چیز ہے جس سے اصلاحِ نفس ہونا ممکن ہے۔ مگر کیف الم پر خوب غور کرنالازم ہے۔ جب ہماری کوئی امید منقطع ہو جاتی ہے یا کسی عزیز دوست۔ یا محسن کے کسی بلا میں گرفتار ہونے یا فوت ہونے کی خبر سنتے ہیں تو قلب کو جھٹکا سا لگتا ہے اور کیف درد والم طاری ہو جاتا ہے۔ اس خبر کے منانے والے کیلئے نہ صحت لفظی کی ضرورت ہوتی ہے نہ دردناک لہجہ یا منہ بنانے کی حاجت! بلکہ وقوف ہی کافی ہوتا ہے اور جب تک کیفِ الم طاری رہتا ہے خباثت قلب کے نزدیک بھی نہیں آتی اور یہی طہارت باطنی کا باعث ہوتا ہے۔

حضرات آئمہ معصومینؑ کے زمانے کی مجالس پر اگر نظر کریں تو وہاں سیدھے سادے واقعات بیان ہوتے تھے۔ اکثر تو یہی تھا کہ محرم کا چاند نظر آیا اور ہر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ فریاد و بکا کی صدائیں بلند ہو گیں۔ اُس زمانے کی مجالس میں الا قتل الحسین بکربلا بہت بڑا مرثیہ تھا۔ چونکہ تعلق قلبی اور محبت حقیقی موجود تھی کیف درد بھی طاری ہوتا تھا۔ اب جبکہ بہت بُعد ہو گیا اور قلوب میں محبت حقیقی ہے ہی نہیں لہٰذا دردناک آواز پُر درد لہجہ سبب گریہ رقت خیز بین سننے کی ضرورت ہے جن سے جذبہ ہمدردی جوش میں آئے اور باعث گریہ ہو مگر اس سے وقتی فائدہ حاصل ہو گا کہ طبیعت ہلکی ہو جاتی ہے۔ نفس کو سرور حاصل ہوتا ہے جس سے نفس اس کا شائق ہو جاتا ہے اور بار بار اُسی گریہ و بکا کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اصلاحِ نفس اور صفائے باطنی کے واسطے کیفِ محبت درکار ہے جس سے محبوب کیلئے کیفِ درد والم طاری ہو۔ اِس حال تک پہنچانے کیلئے بھی درد ہی کی ضرورت ہے۔ نفسی انسان کو درد صرف اُسی وقت پہونچتا ہے

جب کسی واقعہ کا تعلق اُس کی "انانیت" سے ہو اور اُس کی "میں" اس میں شریک ہو۔ ورنہ صرف ہمدردی پیدا ہو گی درد حاصل نہ ہو سکے گا۔

☆اور عرفاء اسی درد و الم کو حقیقی محبت کے ساتھ قائم کرنے کو "صلوۃ اعلیٰ" تعبیر کرتے ہیں۔ اسی کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ عارفینِ درد و الم کے ساتھ حقیقی محبت کو قائم کرتے ہوئے عزاداری کرتے ہیں اور اس کیف کے ساتھ عزاداری کو "صلوۃ اعلیٰ" کہتے ہیں۔ یعنی عزاداری امام حسینؑ عارفین کی "صلوٰۃ اعلیٰ" ہے۔

اور اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "دراصل شرک کی دو اقسام ہیں "ایک شرک ظاہری"، "دوسرا شرک باطنی" عبادات اور واجبات کی ادائیگی سے شرک ظاہری کا خاتمہ ہو جاتا ہے صلوۃِ ظاہری جسے عام الفاظ میں نماز کہتے ہیں وہ شرک ظاہری کے خاتمے کا سبب بنتی ہے۔ صلوۃ اعلیٰ (نمازِ عزا) یعنی درد و الم کے ساتھ عزاداری "شرک باطنی" کے خاتمے کا سبب بنتی ہے۔ شرک باطنی کیا ہے وہ حسد، کینہ، بغض، عداوت، جھوٹ، لالچ، منافقت، ریاکاری وغیرہ یہ باطن وہ گندگیاں جو خواہشاتِ نفس اور ہوس کے ذریعے وجود میں آتیں ہیں ان کا خاتمہ "صلوت اعلیٰ" یعنی عزاداری مولا حسینؑ سے ممکن ہے کیونکہ عزاداری حسینؑ محض غم حسینؑ کا نام قطعی نہیں ہے بلکہ یہ درد حسینؑ کا نام ہے درد کے پروردگار کو حسینؑ کہتے ہیں۔ غم ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے اور ہر غم کے بعد خوشی ہوتی ہے جب کہ درد محض نفسیاتی کیفیت کا نام نہیں ہے بلکہ درد کے بعد شعور بیدار ہوتا ہے۔

کیونکہ عزاداری صلوۃ اعلیٰ ہے اور صلوۃ دوماہ دس دن ادا نہیں کی جاتی بلکہ بندہ عارف کا قلب چلتا پھرتا عزا خانہ بن جاتا ہے۔

اور دراصل صلوۃ اعلیٰ و دائمی یا صلوۃ نفسی جو طہارتِ باطنی عطا کرتی ہے وہ پاک انوار قدسیہ محمدؐ و آل محمدؐ کی "محبت حقیقی" اور "ولایت" ہے۔ اگر تمام ظاہری عبادات، عزاداری سید الشہداؑ سمیت ولایت و محبت و مودتِ محمدؐ و آل محمدؐ خالی ہیں تو انہیں کچھ اور تو کیا، نیک عمل بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پس "محبت" صلوۃ نفسی ہے اس کے سجود اطاعتی ہوتے ہیں، اس کا وضو دشمن سے بریت ہوتی ہے۔۔

اسی ذیل میں چند احادیث درج کرتے ہیں۔

1: معصومؑ نے فرمایا: الصِّلاۃَ بِالْحَقِیقة حب علی ابن ابی طالب

ترجمہ: صلاۃ (نماز) حقیقت میں محبت علیؑ کا نام ہے۔[1]

2: مولا جعفر صادقؑ نے فرمایا: الصلاۃ باطن ولایتنا و الصوم معرفة جدنا و الزکوۃ معرفة شیعتنا و الحج معرفة أعدائنا و البراۃ عنهم

---

[1] مشارق الانوار الیقین صفحہ 254

ترجمہ: نماز کا باطن ہماریؑ ولایت ہے، روزہ محمدؐ کی معرفت ہے، زکاۃ ہمارےؑ شیعوں کی معرفت ہے اور حج ہمارےؑ دشمن کو پہچان کر ان سے نفرت کرنے کا نام ہے۔[21]

3: امیر المومنینؑ نے فرمایا: وقوله: «ويقيموا الصلاة»، وهي ولايتي، فمن والاني فقد أقام الصلاة، وهو صعب مستصعب

ترجمہ: قرآن میں ارشاد ہوا (اور قائم کرو صلاۃ کو) اور وہ (صلاۃ) میریؑ ولایت ہے، جس نے مجھؑ سے ولا رکھی اُس نے صلاۃ کو قائم کیا اور صلوۃ کا قائم کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے۔[3]

4: مولا امیر المومنینؑ نے فرمایا: الإمام علي (عليه السلام) :العارف من عرف نفسه فأعتقها، ونزهها عن كل ما يبعدها ويوبقها

ترجمہ: عارف تو وہی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اور اس کو آزاد کر دیا اور اس کو ہر اس چیز سے پاک کر لیا کہ جو اس کو اس سے (حق سے اللہ سے یا مولا) سے دور کرتی ہے اور ہلاک کر دیتی ہے۔[4]

---

[1] انوار ولایت صفحہ 351

[2] حقیقتِ بسم اللہ صفحہ 50

[3] مشارق الانوار الیقین صفحہ 255

[4] غرر الحکم جلد 2 صفحہ 114

5:مولا علیؑ نے فرمایا:العارف وجهه مستبشر متبسم، وقلبه وجل محزون

ترجمہ:مولا امیر المومنینؑ نے فرمایا:عارف(حقیقی)کا چہرہ بشاش وخندان ہوتا ہے لیکن دل خائف ومخزون ہوتا ہے۔[1]

دوستو ہم شہادت عظمیٰ کے مقاصد میں سے مقصد "المودت" اور "تزکیہ نفس" کے ذیل میں کافی کچھ عرض کر چکے ہیں اب اسی ذیل میں عزاداری کا مختصراً عرفانی وروحانی پہلو بیان کر کے،شہادت عظمیٰ کے چند مزید مقاصد نہایت ہی مختصر انداز میں پیش کر کے اپنے چوتھے سوال کی طرف آجائیں گے۔

"عزاداری کا عرفانی وروحانی پہلو"

اکثر حضرات نے روحانیت میں عزاداری کا کہیں ذکر نہیں کیا اور اس کی افادیت کو دائرۂ روحانیت میں محسوس نہیں کیا حالانکہ "شیعہ اثنا عشریہ" کے علمِ عرفانیات وروحانیات میں اس کا مقام بہت اہم ہے۔
عزاداری ہی وہ پہلا قدم ہے جو عرفانیات وروحانیات کی طرف اٹھتا ہے کیونکہ روحانیات کی بنیاد "ارتکاز" پر ہے اور ایک عام آدمی عزاداری ہی سے محمدؐ وآل محمدؐ پر "ارتکاز" کا آغاز کرتا ہے انکے معنی ان کے واقعات کو سنتا ہے اس پر توجہ مرتکز کرتا ہے اور ان کے فضائل میں اس پر ایک سرور طاری ہوتا ہے جو ارتکاز کے بغیر ناممکن ہے اسی طرح جب مصائب سنتا ہے تو پھر ان کی اس تصویر کو تصور میں

---

[1] غرر الحکم جلد2 صفحہ 114

قائم کرتا ہے کہ جو انہوں نے مظلومیت کے فریم میں انسانیت کی روحانیت کیلئے لگائی تھی۔ جب اس تصویر پر نظر کرتا ہے تو اس کا ارتکاز ان کی ذات پر ہوتا ہے مصائب پر ہوتا ہے اور یہ ارتکاز جب شدید ہو جاتا ہے تو انسان ان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کو اپنی ذات پر محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح وہ اس واقعہ کا ایک حصہ بن جاتا ہے اور جب اس کا تصور اور زیادہ شدید ہوتا ہے تو انسان میں محبت شدید ہوتی ہے اور پھر محبت اور احساس کے اُس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ جہاں وہ اپنی روح کو پاک خاندانؑ کے انوار میں جذب کرلیتا ہے اور اس کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

یہ مسلمہ ہے کہ جب تک انسان کسی کے واقعات میں اپنی ذات کو جذب نہ کرے اس پر رقت طاری نہیں ہوتی اور انسان کسی کے واقعات میں جذب نہیں ہو سکتا جب تک اس پر ارتکاز نہ کرے۔

بنیادی طور پر مجالس عزا کا ادارہ ایک طرح کا اجتماعی ارتکاز کی مشقوں کا ادارہ ہے کہ جہاں سارے مومنین اپنے "آئمہؑ ہدیٰ" پر ارتکاز کرتے ہیں۔

انسان کی فطرت یہ ہے کہ اس کا فوری ارتکاز مصائب پر اور مظلوم پر ہوتا ہے یعنی مظلومیت میں یہ کشش ہوتی ہے کہ وہ انسان کی سوچ کو اپنے اوپر مرتکز کرلیتی ہے اور انسان کے جذبات تک کو اپنا ہمنوا بنالیتی ہے ۔ مظلومیت میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ انسان کی توجہ کو جذب کرتی ہے اور مظلومیت کی اس جاذبیت کی وجہ سے انوار ازلیہؑ نے مظلومیت کو اختیار کیا تاکہ ہماریؑ مظلومیت میں جو بھی جذب ہو جائے گا اور ہمارےؑ احساسات کو اپنے اوپر طاری کرلے گا تو وہ ایک طرح سے انؑ کے انوار کے سمندر میں غسل

کرنے کا یعنی اس پر جو محبت کی وجہ سے درد کی کیفیت طاری ہو گی تو وہ کیفیت کے سمندر میں ڈوب جائے گا اور جب کوئی ڈوبے گا تو وہ سمندر اتنا پاک ہے کہ انسان کو گناہوں کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک کر دیتا ہے بشرطیکہ پھر باہر آتے ہی وہ خود کو دوبارہ نجاستوں میں نہ ڈال دے۔

اگر کوئی کسی عزادار کی اس کیفیت کا گہرائی سے مشاہدہ کرے کہ جو اس پر جو اس پر ذکر مصائب کے دوران طاری ہوتی ہے تو ایسا محسوس ہو گا کہ انسان امام حسینؑ کی ذات پر "مراقبہ"(Meditation) کر رہا ہے۔ اور ان کی ذات اور کیفیات کو اپنے اوپر طاری کر رہا ہے۔ اور ان پر ہونے والے ہر ظلم کو اپنی ذات پر محسوس کر رہا ہے گویا وہ ان کی کیفیات میں نہا رہا ہے اور اُس پر استغراق کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جب بھی استغراق اور محویت پیدا ہوتی ہے تو کبھی بھی بے اثر نہیں ہوتی۔ استغراق(meditation) کا بلند ترین مقام وہ ہوتا ہے جب! اذیت تک کا احساس نہیں ہوتا اور وہ استغراق ماتم میں پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان ایک زنجیر ہاتھ میں لے کر آتا ہے اور آٹھ انچ لمبی برچھیوں کو اپنی پشت پر چلاتا ہے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں تو اسے اذیت کا احساس تک نہیں ہوتا ہے اور یہی وہ کیفیت ہے جو روحانیت کی طرف ایک اہم اقدم شمار ہوتا ہے مگر یہ روحانیت کیلئے ایک تربیتی عمل شمار ہوتا ہے اور یہ وہ مراقبہ ہے کہ جو ایک انسان آسانی سے کر سکتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کوئی فلم یا ڈرامہ دیکھتا ہے یا قصہ سنتا ہے تو اس میں محو ہو جاتا ہے اور جب فلم میں کوئی Tragic seen آتا ہے تو اس کی محویت اسے رُلا دیتی ہے بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں یہ محویت اگر بار بار پیدا ہو تو یہ بھی کسی غیر مرئی کے حصول کا موجب بن سکتی ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ غیر مرئی

قوت شیطانی و سفلی ہو۔ مگر جب انسان محمدؐ و آل محمدؐ کے مصائب پر بار بار ارتکاز کرتا ہے تو اس میں ایسی محویت پیدا ہوتی ہے جس میں آلِ محمدؐ کی محبت انسان کے دل میں نفوذ پذیر ہوتی ہے اور آلِ محمدؐ کی محبت ہی عبادت ہے۔ اور کیا خوب و اعلیٰ عبادت ہے۔ اس کے بعد ان پر ارتکاز ہوتا ہے اور اس میں ایسی شدت آتی ہے کہ آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور انسان جذباتی طور پر اور قلبی طور پر محمدؐ و آلِ محمدؐ میں مستغرق ہو جاتا ہے یوں یہ "استغراق" بھی عبادت ہے اور کیا کمال عبادت ہے اور اس کے مسلسل ارتکاز سے انسان ایک دن محمدؐ و آل محمدؐ کی بزم قدسی کو پالیتا ہے اور ان کی زیارت سے مشرف ہو جاتا ہے اور اس طرح اُس کا ایک غیر مربوط سا روحانی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اب یہ اُس کے اوپرDepend کرتا ہے کہ وہ اس غیر مسلسل رابطے کو مستقل رابطے میں بدل سکتا ہے یا نہیں۔ لیکن یہ غیر مسلسل رابطہ بھی ایک گناہ گار کی نجات کیلئے کافی ہو جاتا ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ کوئی اونچا منصب و مقام حاصل نہ کر سکے مگر جہنم سے نجات ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔

(3)

اَنَا عَلٰی دِینِ علیؑ

یزید جس مذہب کی پیروی کرتا تھا وہ اس کے بزرگوں کا آبائی مذہب تھا۔ عربوں نے اسلام کو اپنے اجتہاد سے اس طرح تبدیل کیا تھا کہ ان کے سابقہ مذہب کی ہر بات اسلامی ٹھپہ سے مسلمان کرتی گئی۔ چنانچہ وہ اس توحید کے قائل ہوئے جو شیطان نے اختیار کی تھی۔ یعنی اللہ سے انبیاءؑ ورسلؑ کو قطعاً الگ رکھا جائے، اللہ حکم دے تو بھی نبی کو سجدہ نہ کیا جائے اور نبیؐ کی عزت و عظمت کو شرک قرار دیا جائے، نبیؐ کی موت پر رنج و غم اور رونے کو بدعت کہہ کر ٹھکرا دیا جائے، نبی کو (معاذ اللہ) خطاکار اور جذبات سے مغلوب ہو کر غلط حکم و فیصلہ کرنے والا بتایا جائے، وہ انسان کے ہر فعل اور اقدام کو اللہ کا فعل سمجھتے تھے، اس لئے کسی کو قتل کرنے میں کسی کا گھر بار لوٹنے میں، کسی کی عزت کو تار تار کرنے میں کسی کا گھر بار چلا دینے میں تکلف نہ کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم یہ سب کر ہی نہ سکتے تھے۔ رسول پاکؐ سے متعلق کسی بھی چیز کا احترام تو دور کی بات و آل رسولؐ بلکہ خود رسول اللہؐ کی تعظیم کو شرک سمجھتے تھے۔ ان کے واسطے سے دعا کرنا بھی شرک سمجھتے تھے۔

یہ یزیدی مذہب یزید کا گھڑا ہوا نہیں تھا بلکہ یزید کے بزرگ رسول اللہ کو دھکا دینا، گلا اور گریبان پکڑ کر کھینچ لینا، رسولؐ کے سامنے اپنی آوازیں بلند کرنا وغیرہ جائز سمجھتے تھے اور یزید کا بھی وہی مذہب تھا جو پہلے سے چلا آرہا تھا اور یزید اُسی اسلامی قانون پر عمل کر رہا تھا جو اس کے نام نہاد مسلمان بزرگوں نے اسلامی

کہہ کر تیار کیا تھا۔ اسی مذہب کی رو سے کربلا میں خاندان رسالتؐ کا قتل عام کیا گیا اور اہل حرم کو ایک سال قید رکھا گیا۔ یہ اجتہادی مذہب کفر اور زندقہ سے بھی بدتر تھا۔

پس کریم کربلاؑ اور ان کے انصارؓ نے یزید اور اس کے بزرگوں کے مذہب پر اور ان کے چہروں پر پڑی اسلامی نقاب کو نوچ ڈالا اور دین و اسلام کا حقیقی چہرا سامنے لا کھڑا کیا۔

اور اس بات کا اظہار انصار حسینؑ کربلا میں کرتے رہے کہ یزید اور اُس کے بزرگوں کا دین و مذہب اور رہے جو کے شیطانی ہے اور وہ شیطان کے شیعہ ہیں اور آل علی رحمن کی شیعہ ہے۔ چند دلائل دیکھتے چلیں۔

1) حضرت نافع بن ہلال بجلیؓ جنگ کرتے وقت یہ رجز پڑھ رہے تھے: إنا ابن هلال البجلي أنا على دين علي و دينه دين النبي

ترجمہ: میں نافع ابن ھلال بجلی ہوں! میں دین علیؑ پر ہوں اور علیؑ کا دین ہی رسول اللہ کا دین ہے۔[1]

اور پھر رجز پڑھتے ہوئے یہ بھی فرمایا: دینی علی دین حسین و علی

ترجمہ: میں اسی دین پر ہوں جو مولا علی و امام حسینؑ کا دین ہے۔[2]

---

[1] لواعج الاشجان فی مقتل الحسین صفحہ 237

[2] لواعج الاشجان فی مقتل الحسین صفحہ 238

2)حضرت عبد الرحمن بن عبد اللہ یزنیؓ نے میدان کربلا میں آکر یہ رجز پڑھا:

ترجمہ: "میں عبد الرحمن ابن عبد اللہ آل یزن سے ہوں اور میں اُسی دین پر ہوں جو امام حسن و حسین کا دین ہے۔[1]

3)حضرت مالک بن انسی مالکی نے میدان جنگ میں رجز پڑھتے ہوئے کہا:

آل عَلی شِیعَةَ الرّحمن

آل زیاد شیعة الشیطان

ترجمہ: یعنی آل علی رحمن کی شیعہ ہے جبکہ آل زیاد شیطان کی شیعہ ہیں۔[2]

4)قال هشام بن مُحَمَّد، عن أبي مخنف، قَالَ: حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ هانئ بن عروة، أن نافع بن هلال كَانَ يقاتل يَوْمَئِذٍ وَهُوَ يقول: أنا الْجَمَلِيّ، أنا عَلَى دين علي

قَالَ: فخرج إِلَيْهِ رجل يقال لَهُ مزاحم بن حريث، فَقَالَ: أنا عَلَى دين عُثْمَان،

فَقَالَ لَهُ: أنت عَلَى دين شيطان، ثم حمل عليه فقتله

---

[1]لوائج الاشجان فی مقتل الحسین صفحہ 262

[2]لوائج الاشجان فی مقتل الحسین صفحہ 264

ترجمہ: مولا امام حسینؑ کے اصحابؓ میں سے جب حضرت نافع بن ھلال الجملیؓ میدان میں آئے تو آپؓ نے یہ رجز پڑھا:

میں جملی قبیلے کا جوان ہوں اور میں مولا علی ابنِ ابیطالبؑ کے دین پر ہوں۔

اوریزیدی لشکر کی طرف سے مزاحم بن حریث نکلا اور اس نے یہ رجز پڑھا: میں دینِ عثمان پر ہوں۔[1،2،3]

5) مولا عباسؑ بھی عاشورہ کے دن امام حسینؑ کی نسبت ایسے تھے کہ ان کی صلابت اور ہیبت فوق تصور تھی۔ ایک نہیب سے ہزاروں لوگ لرز جاتے اور ان کا عاشورا کا رجز بیان گر ہے کہ ان کی تمام کوششیں امام حسینؑ کی جان کی حفاظت کیلئے تھیں:

و الله إن قطعتم يميني

إني أحامي أبدا عن ديني

وعن إمام صادق اليقين

---

[1] تاریخ الطبري، محمد بن جریر الطبري (المتوفی 310ھ)، جلد 5 صفحہ 435 و 441

[2] البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر الدمشقي (المتوفی 774ھ)، جلد 8 صفحہ 184

[3] بحار الأنوار، ط۔ دار الاحیاء التراث، العلامۃ المجلسي (المتوفی 1110ھ)، جلد 45، صفحہ 19

خدا کی قسم! اگر میرا دایاں بازو قطع ہو جائے تو پھر بھی جنگ کو جاری رکھوں گا، اپنی آخری سانس تک اپنے دین امام حسینؑ کا دفاع کروں گا، اس امامؑ سے جو منزلِ یقین پر پہنچا ہو اور اولادِ پیغمبرؐ سے ہے ان کی حمایت کروں گا۔[21]

[1] بحار الانوار جلد 45 صفحہ 40

[2] خطیبِ کعبہ صفحہ 366

(4)

"دینِ نصرت اور مقصدِ اعلیٰ"

دوستو! اگر ہم عزاداری کا تجزیہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ عزاداری دو حصوں پر مشتمل ہے

(i) فضائل

(ii) مصائب

فضائل سے ذات کا تعارف ہوتا ہے، عظمت دماغ میں راسخ ہو جائے تو انسان قرب کی طرف مائل ہوتا ہے، محبت پیدا ہو جاتی ہے، بادشاہ یا حاکم جو عادل و مہربان ہو اس سے محبت اور اس کے قرب کی خواہش لازماً ہوتی ہے اس کی رضا جوئی کی تمنا پیدا ہوتی ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ فضائل کے دو فائدے ہیں:

(الف) تعارف سے قیام عظمت (ب) ایجاد محبت و احترام

جب یہ دو چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں تو ان کے بہت سے عملی فائدے ہوتے ہیں مثلاً (1) شوق وصل (2) شوق خدمت (3) شوق نصرت (4) شوق قرب (5) طلب رضا (6) شوق اطاعت وغیرہ یعنی فضائل کے بیان کے بعد اگر یہ فوائد حاصل نہ ہوں تو فضائل کا بیان کرنا اور سننا مقصدیت سے خالی ہو گا اگر کوئی آدمی فضائل سنتا ہے اس کے نتیجے میں اس کے دل میں محبت و احترام پیدا ہو جاتا ہے مگر اس کے دل میں ان کے

قربت کا شوق پیدا نہیں ہو تا، ان کی اطاعت کا جذبہ پیدا نہیں ہو تا، ان کی رضاجوئی کی تمنا پیدا نہیں ہوتی تو پھر اس کا فضائل سننا نہ سننا برابر ہے کیونکہ آدمی کسی شخصیت کو محترم تو سمجھے مگر اس کی نافرمانی کرتا پھرے اس کا عملاً احترام نہ کرے اور بوقت ضرورت اس کی نصرت اور مدد نہ کرے تو پھر اس کا کسی کو محترم سمجھنا نہ سمجھنا برابر ہو گا جیسا کہ کوفہ والے لوگ امام مظلومؑ کو محترم تو جانتے تھے، ان کے فضائل سے شناسا تھے مگر انہوں نے نصرت نہیں کی تو ان کے دلی جذبات نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا کیونکہ جو کسی کو کچھ مانتا ہے وہ اس کی بات کچھ نہ کچھ مانتا ہے اور جو ایک بات بھی نہیں مانتا وہ کچھ بھی نہیں مانتا

اگر ہم انہیں امامؑ و آقا مانیں گے تو ان کی ہر بات ماننا واجب ہو جائے گی۔

دوستو! عزاداری کا دوسرا حصہ ہے مصائب کا جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری مجالس عزا میں مقررین و خطبا فضائل سے آغاز کرتے ہیں اور مصائب پر اختتام کرتے ہیں اور مجالس کا یہی حصہ سب سے اہم ہوتا ہے کیونکہ فضائل سے ہم ان کا تعارف سے یہ بتایا جاتا ہے کہ امت نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے مصائب کے بھی کئی فائدے ہوتے ہیں مثلاً:

(1) قیامِ ہمدردی مؤدت (ii) دشمن سے نفرت (iii) خواہش نصرت (iv) قیامِ عدل کی خواہش و تمنا، وغیرہ۔۔۔

ان میں سے سب سے اعلیٰ چیز ہے قیام عدل کی خواہش کیونکہ جب بھی کسی مظلوم کے بارے میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس پر ظلم ہوا ہے اور ظلم کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں تو دل میں انتقام و عدل کی خواہش

سب سے قوی صورت میں پیدا ہوتی ہے کیونکہ مظلوم سے ہمدردی کا نتیجہ قیام عدل کی خواہش کی صورت میں ہمارے اندر پیدا ہوتا ہے اگر آپ کوئی ایسا ڈرامہ یا پکچر دیکھ رہے ہوں جس میں ولن ہیرو پر مسلسل ظلم کر رہا ہو تو اس ظلم کو دیکھ کر آپ کی خواہش ہو گی کہ اسی وقت اس ظالم کو سزا ملنا چاہیے عدل قائم ہو جانا چاہیے یعنی جھوٹی فلم میں جھوٹا ظلم دیکھ کر بھی انسان کے دل میں قیامِ عدل کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے تو کیا خاندان پاکؑ پر ہونے والے مظالم کیلئے یہ جذبہ پیدا نہیں ہو گا۔۔۔ اور اگر نہیں ہو گا تو فطرت مسخ ہو گی ورنہ ظالم سے نفرت اور مظلوم سے ہمدردی تو فطرت کا تقاضہ ہے۔

دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قیام عدل چاہے پنچایئتی ہو یا ستھ جرگے کا ہو یا عدالت و حکومت کا وہ دو پہلوؤں پر مشتمل ہوتا ہے اگر ان میں سے ایک پہلو بھی نظر انداز کیا جائے تو پھر وہ عدل عدل نہیں ہوتا یعنی عدل کے دو اجزا ہیں اور عدل ان دو اجزا سے مرکب ہے (1) ظالم کو سزا دینا (2) مظلوم کی حق رسی کرنا یا اسے کمپین سیٹ (Compensate) کرنا اس کی مثال ہم اس طرح دے سکتے ہیں کہ اگر کوئی چور کسی کی چوری کرتا ہے تو اس کے معاملے میں قیام عدل کے دو پہلو ہوتے ہیں

(i) چور کو سزا کیونکہ اس نے چار دیواری کا تقدس پامال کیا ہے

(ii) چوری شدہ مال کی واپسی مال مسروقہ کی واپسی

اگر کوئی شخص کسی کے گھر کو آگ لگا دیتا ہے تو اسے دو سزائیں ملنا عدل کا تقاضہ ہے نمبر ایک سزا۔ نمبر دو مالی سزا جو ہرجانہ و جرمانہ ہوتا ہے جس سے مالک مکان کا مکان دوبارہ تعمیر کیا جاسکے اور کچھ اضافی بھی ہو

جائے ورنہ عدل کا قیام نہیں ہوتا دوستو! ہماری ملکی و حکومتی عدالتیں لاکھ عادل ہوں مگر وہ بہت سے معاملات میں مجبور و عاجز ہی ہوتی ہیں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی انسان کسی کو قتل کر دیتا ہے اور پھر وہ مجرم خود سزا سے پہلے مر جاتا ہے تو کیس داخل دفتر ہو جاتا ہے کیونکہ ہماری عدالتیں موت و حیات پر قادر نہیں ہیں جو مجرم مر جائے یا فرار ہو جائے تو اسے عدالت میں لاکھڑا کرنا ان کے بس کا روگ ہی نہیں ہے جب کہ ظلم بھی صدیوں پہلے ہوا ہو ظالمین بھی مر کھپ چکے ہوں تو ان کے بارے میں قیام عدل عام انسان کیلئے ناممکن ہے اس لئے جب ان مظلومین علیہم الصلوات والسلام کے انتقام کی خواہش پیدا ہو گی تو اس میں ایسے عادل کو تلاش کرنے کی خواہش بھی پیدا ہو گی کہ جو موت و حیات پر تصرف رکھتا ہو اور جو دنیا سے چلے جانے والے ظالمین و مظلومین کو اپنی عدالت میں حاضر کر سکے جب یہ خواہش ہمیں تلاش عادل کیلئے دوڑائے گی تو پھر ہمیں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے در اقدس تک لائے گی کیونکہ وہی اس طرح کا عدل قائم فرما سکتے ہیں اور کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ ہمارے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف ہی اللہ کے نظام عدل کو قائم فرمانے والے ہیں اور انہی کی حکومت حکومت الہیہ ہے۔

مقصد کلام یہ ہے کہ مصائب کے دو مقاصد ہیں ایجاد محبت و ہمدردی برائے مظلوم اور ایجاد نفرت و عداوت برائے ظالم آگے ان دونوں مقاصد کے حصول کا بھی ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے طلب عدل کا جذبہ پیدا کرنا۔ عدل کی تکمیل دو تقاضے رکھتی ہے، قیام عدل کیلئے ظالم کو سزا اور مظلوم کی حق رسی ،اگر ان میں سے ایک بھی رہ جائے تو عدل کے تقاضے پورے نہیں ہوتے خواہشِ عدل و طلب عدل کیلئے

عادل تلاشا جائے گا عادل کی صفات متعین ہوں گی کہ جس کے سامنے زمانے کوئی حیثیت نہ رکھتے ہوں ماضی کے مجرمین عدل سے بچ گئے تو طلبِ عدل اور قیامِ عدل کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔

مقصد آخر

دوستو! یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اصول مقصد آخر نہیں ہوتے یعنی اصول پر عقیدہ مقصد آخر نہیں ہوتا اور فروع پر عمل مقصد آخر نہیں ہوتا بلکہ اصول پر عقیدہ اور فروع پر عمل یہ دونوں مل کر انسان کو ایک راستے پر مصروف سفر کرتے ہیں عقیدہ ہو اور عمل نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی کو راستہ معلوم ہو مگر وہ سفر نہ کرے اور عقیدہ کے بغیر عمل ایسا ہے کہ جیسے راستہ معلوم نہ ہو اور سفر جاری ہو اس امر پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے کہ اصول پر عقیدہ اور فروع پر عمل سے جو کمپاؤنڈ (Compound) بنتا ہے اسے کہتے ہیں "**ایمان**"

ایمان کی یہی تعریف کی جاتی ہے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب

یعنی زبان سے اقرار کرنا، دلی طور پر اسی پر عقیدہ ہونا اور اس عقیدے کے ساتھ اعضا و جوارح سے عملی اظہار کا نام ایمان ہے۔

دوستو! شعبہ اعتمال کی دونوں شاخیں یعنی تقرب میں تزکیات و ریاضات اور و تعبد میں عزاداری وزواری وغیرہ بھی مقصود آخر نہیں ہیں

اسی طرح عزاداری کے اجزا بھی مقصد آخر نہیں ہیں یعنی فضائل و مصائب ہوں یا نظم و نثر، ترنم و تحت اللفظ، تقریر و لحن، یہ سب مقصد آخر نہیں ہوتے بلکہ فضائل کا مقصدِ قیام عظمت و ایجاد احترام ہے، جب یہ ہو جائے تو اس کے بعد اس کے بیان کا کوئی مقصد نہیں رہتا یعنی جب یہ سمجھ آجائے کہ میں اللہ کو نہیں سمجھ سکتا تو اس کے بعد بیان فضائل و تعارف کا مقام نہیں ہوتا بلکہ وہاں سے عبدیت و اطاعت کا عمل شروع ہو جاتا ہے

اسی طرح مصائب کا بیان طلبِ عدل و حصول عدل کے بعد ختم ہو جاتا ہے

دوستو! یہ بات آپ بھی جانتے ہیں کہ 61 ہجری سے پہلے بھی شیعہ تھے مگر اس دور میں نہ عزاداری کا قیام ہوا تھا نہ زواری کا۔ لیکن کبھی آپ نے سوچا ہے کہ اس دور کے شیعہ کیا کرتے تھے ان کی ایکٹیویٹیز (Activities) کیا تھیں؟

اسی طرح جب شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی حکومت الہیہ کا قیام ہو جائے گا (خدا کرے جلد از جلد ہو) تو اس کے بعد بھی نہ عزا ہو گی نہ زواری ہو گی یعنی ظالمین کو سزا مل چکی ہو گی مظلومین علیم الصلوات و اسلام کے پاک گھر آباد ہو چکے ہوں گے وہ ایک ابدی مسرت کا دور ہو گا اس دور میں قیامِ عزا کا کوئی جواز ہی نہیں رہے گا تو پھر اس دور میں ہم شیعوں کی ایکٹیویٹیز (Activities) کیا ہوں گی؟

یعنی شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام اور ان کے جملہ اہل بیتؑ اور اصحابؓ و انصارؑ کی رجعت ہو گی اور ان کی حکومت کا قیام ہو گا ظالمین سے انتقام لیا جائے گا اور کریم کربلا علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں ہے

کہ وہ اسی ہزار سال [بلکہ ابدی حکومت] فرمائیں گے تو ان کے دور حکومت میں عزاداری تو باقی نہیں رہے گی اور مزارات و مشاہد مقدسہ بھی ان کے قصر شاہی بن جائیں گے تو پھر زواری اور عزاداری دونوں نہیں رہیں گے تو پھر اس دور کے شیعوں کے اعمال حیات و متحرکات کیا ہوں گے ؟

یہی وہ بنیادی سوالات ہیں جو ہمیں اپنی تخلیق اور اپنی تولید کے مقاصد اعلیٰ کے دریافت کرنے پر مائل کرتے ہیں یعنی ہمیں معلوم کرنا چاہئے کہ ہماری تخلیق کا مقصد اعلیٰ کیا ہے

جس کے حصول کے یہ سارے ذرائع ہیں

آیئے ہم مقصد اعلیٰ و مقصد آخر کی تلاش کا عمل کرتے ہیں

مقصد اعلیٰ

دوستو! دین نصرت پر جب عقل فرسائی کی جاتی ہے تو سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا لازم ہوتا ہے کہ مقصد اعلی کیا ہے ؟ یہ بھی یاد رہے کہ جب مقصد اعلیٰ کا موضوع زیر بحث ہوتا ہے تو اس میں پھر ہمیں کسی بڑی "کُل" سے لے کر ایک چھوٹی سے چھوٹی جزو تک کے مقاصد کا جائزہ لینا پڑتا ہے جیسا کہ ہمارے سامنے یہ سوالات قائم ہو جاتے ہیں

سوال: تخلیق کائنات کا مقصد کیا ہے ؟

جواب: انوار اقدس علیہم الصلوات والسلام

سوال: جن وانس کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

جواب: عبادت الھیہ

سوال: ایک انسان کو اعضاوجوارح وحواس وقومی عطا فرمانے کا مقصد کا کیا ہے؟

جواب: یہ وسائل عبادت واطاعت ہیں

سوال: موالید ثلاثہ (جمادات ونباتات وحیوانات) کی تخلیق کا مقصد کیا ہے؟

جواب: بقائے باہمی وقربانی پر مبنی بقائے باہمی کا قیام

سوال: ان سب کا اجتماعی مقصد کیا ہے؟

اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایک طرف یہ ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جنات اور انسان جو باقی انواع سے کچھ زیادہ خود مختار ہیں اور ان پر جبر الٰہی کی مقدار کافی کم ہے اور اختیار بالارادہ کی مقدار کافی زیادہ ہے اس لئے ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ان کی تخلیق کا مقصد عبادت الہی ہے۔

عبادت میں عرفانِ عبادت وعبدیت کا کامل ہونا لازم ہے لیکن عرفانِ معبود کا کامل ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اس کا اجمالی عرفان ہی کافی ہوتا ہے کیونکہ اگر عرفانِ الہی کا کامل ہونا شرط مان لیا جائے تو یہ تکلیف مالایطاق ہے یعنی امر محال کا مکلف کرنے کے مترادف ہے جبکہ قانون الہی ہے لا یکلف اللہ نفس الا وسعھا یعنی

وہ کسی شخص کو اس کی وسعت و استطاعت سے زیادہ کا مکلف نہیں فرماتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ انسان کو حکم دیا جائے کہ تو اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک آسمان کو چھو نہ لے اس حکم کے بعد کوئی بھی مومن نہیں بن سکے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ آسمان کو چھونا بھی شاید کہیں نہ کہیں ممکن ہو مگر عرفانِ کامل کا حصول اس سے لاکھوں گنا زیادہ مشکل اور دشوار و امر محال ہے

ایک اور مقام پر حدیث قدسی میں فرمایا گیا ہے کہ کنت کنزا مخفیاً یعنی میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا اور میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں سو اس لئے میں نے سلسلہ تخلیق شروع فرمایا اس فرمان سے مقصد تخلیق اللہ کا عرفانِ کامل ثابت ہوتا ہے نطفے کی پیداوار انسان کے بس کا روگ ہی نہیں ہے کہ اللہ کا عرفان کامل حاصل کر سکے اور اگر ہم عمومی طور پر دیکھیں تو یہ حدیث کلام الٰہی کے منافی نظر آتی ہے یعنی قرآن میں جن و انس کو عبادت کیلئے خلق فرمایا گیا ہے اور یہ حدیثِ قدسی عبادت کی بجائے عرفان الٰہی کو وجہ تخلیق بتا رہی ہے جبکہ عبادت کیلئے اجمالی عرفان کافی ہوتا ہے کلی عرفان تو محال ہے اس میں ایک تضاد یہ بھی ہے کہ حدیث عقیدہ کو وجہ تخلیق بتا رہی ہے آیت عمل کو وجہ تخلیق بتا رہی ہے کیونکہ اس آیت اور حدیث قدسی کے تناقض میں ایک نہ ایک چیز کی نعوذ باللہ تکذیب کا جرم سر لینا پڑے گا۔۔۔

پھر یہ بھی ہے کہ ان دونوں پر ایک مشترکہ اعتراض بھی قائم کیا جاتا رہا ہے یعنی وجہ تخلیق اگر عبادت مان لی جائے یا عرفان کامل تو ان دونوں چیزوں کا نسل انسان میں فقدان ہے یعنی انسانی آبادی کا ایک فی کروڑ بھی ایسا نہیں جو اس پیمانے پر پورا اترے یعنی پوری انسانیت میں سے چند افراد ایسے ہوں گے جو عبادت

والے مقصد کو پورا کر رہے ہوں گے یا عرفان جزئی کے مقصد کو پورا کر رہے ہوں گے ورنہ ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو نہ عبادت کر رہی ہے اور نہ عرفان جزئی رکھتی ہے عرفان کامل تو ویسے بھی محال ہے اب اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اگر واقعی اللہ نے انسان کو عبادت ہی کیلئے بنایا ہے تو پھر یہ اس سے انحراف کیوں کر رہا ہے؟ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ایک کمپنی یا ایک شخص گھڑی بناتا ہے جو وقت بتائے مگر ہوتا یہ ہے کہ وہ گھڑی وقت نہیں بتاتی تو اس کی دو صورتوں میں سے ایک کو ماننا ضروری ہو گا

(i) یا تو یہ گھڑی وقت بتانے کیلئے بنائی ہی نہیں گئی

(ii) یا پھر بنانے والے کا فن ناقص ہے کیونکہ اگر اس نے واقعی وقت کیلئے گھڑی بنائی ہے تو اسے وقت ہی بتانا چاہیے

اس سوال کے جزو اول یعنی آیت کا جواب تو سید العرفا جناب سید ادیم نقوی صاحب نے یہ دیا ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں

1:عبادت اختیاری

2:عبادت اجباری

جو انسان عبادتِ اختیاری نہیں کرتا اللہ اس سے عبادت اختیاری کروا رہا ہے یعنی روزی کمانا، بچوں کی پرورش، معاشرے میں امن و صلح وغیرھا بھی عبادات ہیں اور عبادت کا مفہوم نماز روزے تک محدود نہیں ہے بلکہ انسانی فلاح و بہبود و خدمتِ خلق بھی عبادت ہے جو وہ لامذہب لوگوں سے بھی کروا رہا ہے

لیکن حدیث قدسی اور اس آیت کے مابین جو تناقض بنتا ہے اس کا جواب ایک اور طرح سے دیا جاتا ہے یعنی ان دونوں کو سامنے رکھ کر عرفائے کرام رضوان اللہ علیہم نے ایک تیسرا راستہ بھی نکالا ہے کہ جس سے دونوں میں سے کسی ایک کی تکذیب کا کفر سر نہیں لینا پڑتا اور وہ یہ کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ جنات و انسان کو تو عبادت ہی کیلئے خلق فرمایا گیا ہے لیکن اللہ نے اپنی ذات کے عرفان کامل کیلئے صرف ان انوارؑ کو نمود و خلعتِ وجود و ظہور بخشی ہے جن کا یہ فرمان ہے لو کشف الغطا لا ازددت یقینا یعنی اگر ہمارے سامنے سے اللہ کے سارے حجابات اٹھا بھی لئے جائیں تو ہمارے یقین میں ایک سر مو اضافہ نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے کمالِ عرفان کے آگے عرفان کا کوئی درجہ موجود ہی نہیں ہے اور انسان کیلئے ان انوار ازلیہ اولیہ علیہم الصلوات والسلام کا عرفان جزئی اور اطاعت کاملہ کا ٹارگٹ (Target) پورے عالمِ خلق کو دیا گیا ہے اور اللہ کی اطاعت عبادت و عرفان بلاواسطہ امر محال ہے اور بالواسطہ واجب قرار دیا گیا ہے اگر ہم اس تناظر میں دیکھیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مقصد الٰہی بنیادی طور پر تو ایک ہی ہے وہ مقصد اعلیٰ ایک ہونے کے باوجود اصطلاحات کے آئینوں میں متعدد نظر آتا ہے کیونکہ اسے ہر علم کے علمائے مترجمین اپنی اپنی اصطلاحی زبان میں بیان کرتے ہیں کوئی اسے "عبادت کاملہ" کا نام دیتا ہے، کوئی اسے "طاعت کاملہ" کا نام دیتا ہے، کوئی اسے "عرفانِ الٰہی" کا نام دیتا ہے۔

کچھ کہتے ہیں مقصدِ حیات زیادہ سے زیادہ تعداد میں زیادہ سے زیادہ مقدار میں زیادہ سے زیادہ وقت کی زیادہ سے زیادہ شدت کی مسرت کا حصول ہے۔

دوستو! صاحبان عرفانیات کے نزدیک مقصد اعلیٰ "نفاذِ رضا" ہے

علمائے عرفان فرماتے ہیں مقصد آخر "نفاذِ رضا" ہے۔ عرفانی نقطہ نگاہ سے ایک ہی نجاست ہے اور وہ ہے انسان کی "مرضی"

علمائے عرفان فرماتے ہیں کہ رضائے الٰہی کا نفاذ ہی مقصد آخر ہے اور یہی قیام حکومت الٰہیہ ہے جیسا کہ ہم انجیل مقدس کی دعا میں دیکھتے ہیں جو عیسائی حضرات بطور نماز پڑھتے ہیں وہ ہے "اے خداوند تیری بادشاہی آئے تیری مرضی جیسے آسمانوں پر پوری ہوتی ہے اسی طرح زمین پر بھی پوری ہو"

جب بات نفاذِ رضائے الٰہی کی ہو تو پھر ہمیں بھی معلوم ہونا چاہیے کہ رضائے الٰہی کے نفاذ کے بھی درجات ہیں مثلاً (1) فرد پر رضائے الٰہی کا نفاذ (2) جماعت پر رضائے الٰہی کا نفاذ (3) قوم پر رضائے الٰہی کا نفاذ (4) پوری انسانیت پر رضائے الٰہی کا نفاذ (5) پوری کائنات پر رضائے الٰہی کا نفاذ اللہ یہ چاہتا ہے کہ میری رضا پر ہر کوئی اپنی مرضیاں قربان کر دے لیکن یہ عمل جبری نہ ہو بلکہ خوشی سے ہو۔۔۔۔

(5)

"مرکزیت امامِ زمانہؑ اور حقِ امامؑ و نصرتِ امامؑ"

دوستو بات یہ ہے کہ شیعہ کی صرف ایک پہچان ہے اور وہ ہے ولی العصر علیہ الصلوات والسلام زمانے کی حجت اور امام علیہ الصلوات والسلام کی نصرت کرنا شیعوں کی مرکزیت زمانے کا امام ہوتا ہے وہی ان کیلئے سب کچھ ہوتا ہے وہ توحید کے ارادوں کو بھی زمانے کے امامؑ کے آئینے میں دیکھتے ہیں اور اپنے توحید سے متعلق رویوں کو بھی زمانے کے امامؑ کے پیمانے پر تولتے ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ امام زمانہ علیہ اصلوات والسلام ہی سب کچھ ہوتے ہیں، ان کی رضا اللہ کی رضا ہوتی ہے، ان کا غضب وسخط اللہ کا غضب وسخط ہوتا ہے ان کی نصرت اللہ کی نصرت ہوتی ہے، ان کی محبت اللہ کی محبت ہوتی ہے، ان کا انکار اللہ کا انکار ہوتا ہے، یعنی امام زمان علیہ الصلوات والسلام ہی اللہ جل جلالہ کا وسیلہ اتم اور اکمل ہوتا ہے اان کی غلامی اور عبدیت اللہ جل جلالہ کی غلامی و عبدیت ہوتی ہے، ان کا حلال حلال ہوتا ہے، ان کا حرام حرام ہوتا ہے، کیونکہ امام زمان علیہ الصلوات والسلام اللہ کی زبان ناطق ہوتا ہے، اس کا ترجمان ہوتا ہے، اس کے صفات و خصائص، محبت، غضب، میلان، نفرت بیان و احکام خذل وسخط کا واسطہ ہوتا ہے۔ بلکہ اسکی ذات تک کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے اس لئے ہر دور میں شیعوں نے نصرت و اطاعت امامؑ ہی کو دین قرار دیا ہے کربلا ہمارے لئے دین کی ایک یونیورسٹی ہے، کربلا کائنات کیلئے دینِ حق کی لیبارٹری ہے کہ جہاں اس دینِ حق کو زندہ کیا گیا ہے جس کا نام دینِ نصرت ہے اور ہمیں یہ درس دیا گیا ہے کہ اپنے زمانے کے امامؑ پر سب کچھ فدا کرنا ہی عین دین ہے اور یہی واحد دین حق ہے یہی دین کربلا سے پہلے بھی تھا اور بعد از

خروج بھی رہے گا اور ملک آل محمد علیہم اصلوات والسلام میں حکومت الہیہ کے قیام کے بعد بھی دین نصرت ہی رائج رہے گا اور ہر شیعہ اپنے شہنشاہِ زمانہ کو اسسٹ (Assist) کرے گا گویا انسان کی یہی معراج ہو گی کہ اس دور میں انسان اللہ کا معاون کلی ہو جائے گا

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ اپنے ولی العصر علیہ الصلوات والسلام کی نصرت کرنا ہی حقیقی اور اللہ جل جلالہ کا پسندیدہ دین ہے اور اسی کا نام اسلام ہے جو نصرت امام سے دست کش ہو تا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اگر ایسا نہ ہو تا تو جمل و صفین میں تلوار نہ اٹھائی جاتی اور یہ تلوار اٹھا کر ثابت کیا گیا کہ کلی دین اپنے ولی العصر علیہ الصلوات والسلام ہوتے ہیں اگر ان کی نصرت نہ کی جائے تو دین باقی نہیں رہتا۔۔

عزاداری کا قیام

دوستو!۔۔۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ عزاداری کا قیام کیوں فرمایا گیا؟ اور رونے کی تاکید کیوں فرمائی گئی؟یعنی رونے کی شکل بنانے پر بھی جنت کی ضمانت دینے کا ان کی ذات کو فائدہ کیا تھا؟ اور عزاداری کے قیام میں اتنا تکلف کیوں فرمایا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ شہنشاہِ زمانہؑ کی حکومت کے قیام میں تاخیر کی ایک وجہ قلت انصار بھی ہے اور عزاداری تجمیع انصار کا بہترین ذریعہ ہے۔

عزاداری انصار جمع کرنے کا قدیم ترین ذریعہ بھی ہے کیونکہ عرب کے وہ قبائل جن کے زیادہ افراد مارے جاتے تھے تو وہ بھی دوسرے قبائل میں سے اپنے انصار بنانے کیلئے عزاداری قائم کرتے تھے کیونکہ انسان کی فطرت ہے وہ مظلوم سے ہمدردی رکھتا ہے اور یہی ہمدردی جذبہ نصرت کو بیدار بھی کرتی ہے اور جذبہ انتقام کو ٹھنڈا بھی نہیں ہونے دیتی اور عزاداری جذبہ انتقام کو ابھارنے کا بھی بہترین ذریعہ ہے اس لئے واقعہ کربلا کے بعد خاندان توحید و رسالت علیہ الصلوات والسلام کو طویل غیبت کا زمانہ نظر آرہا تھا اور اس میں جذبہ انتقام و نصرت کے سرد ہونے کے بہت زیادہ امکانات تھے جس کی وجہ سے ہر معصوم علیہ الصلوات والسلام نے قیام عزا پر زور دیا اور اس کے قیام پر جنت کی وعید فرمائی اور بہت زیادہ اجر و ثواب کو بیان فرمایا تاکہ مومنین میں عزاداری قائم رہے اور جب ان مظلومین علیہم الصلوات والسلام کے آخری منتظم عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں تو انہیں کچھ نہ کچھ انصار مل جائیں۔

دوستو میں یہی عرض کر رہا ہوں کہ عزاداری دراصل تجمیع انصار کا مؤثر ذریعہ ہے اور جذبہ انتقام کو ابھارنے اور اس کے باقی رکھنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے، جذبۂ نصرت کو زندہ رکھنے کا ذریعہ بھی ہے یہ بات یاد رہے کہ یہ عزاداری اصل دین نہیں ہے بلکہ اصل دین نصرت امام زمانؑ ہے اور یہ نصرت امام زمانہ عجل اللہ فرج الشریف کے جذبے کو زندہ رکھنے کا سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے اس لئے اصل دین کی بقا کا بھی یہی سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے چونکہ دور غیبت میں جذبہ نصرت اور انتقام کی بقا کا یہی بہترین ذریعہ ہے جو کہ اصل دین ہے اس لئے دور غیبت میں عزاداری کا قیام اصل دین ہے کیونکہ عزاداری سے ذکر مظلومیت ہوتا رہے گا اور مظلومیت کے بیان سے لوگوں کے دلوں میں مظلومین علیہم الصلوات والسلام کی ہمدردی

پیدا ہوتی رہے گی اور مظلوم سے ہمدردی نصرت کا پہلا قدم ہے کیونکہ ہمدردی کے بعد مظلوم کی بحالی اور انتقام کی خواہش پیدا ہوتی ہے انتقام کی خواہش منتقم کی نصرت پر اکساتی ہے اور انسان مظلوم کا ناصر بن جاتا ہے۔

اسی لئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف جب تشریف لائیں گے تو انہوں نے اپنا شعار (سلوگن) جو دینا ہے وہ ہے یالثارة الحسین علیه الصلوات و السلام ثار کے معنی جوش انتقام میں آپے سے باہر آجانے کے بھی ہوتے ہیں یعنی انہوں نے یہ نعرہ اس طرح بلند فرمانا ہے کہ لوگ شہنشاہ کربلا علیہ الصلوات والسلام کے انتقام کے جوش میں آپے سے باہر آجائیں گے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم مبارک ہے ثائر عجل اللہ فرجہ الشریف، جس کے دو معنی ہیں

ایک تو ثائر اس منتقم کو کہتے ہیں جو جوش انتقام میں اپنے آپ میں نہ رہے اور بے خود ہو جائے دوسرا اس منتقم کو ثائر کہتے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے انتقام لے جبکہ منتقم کیلئے انتقام اپنے ہاتھوں سے لینا ضروری نہیں ہوتا اس لئے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے دونوں اسمائے مبارکہ ہیں یعنی منتقم اور ثائر عجل اللہ فرجہ الشریف یعنی وہ اپنے ہاتھوں سے بھی انتقام لیں گے اور اپنے انصار کے ذریعے بھی انتقام لیں گے۔

دوستو میں عرض کر رہا تھا کہ اصل دین نصرت امام زمانؑ ہے اور عزاداری کے قیام کا مقصد بھی شہنشاہ زمانہ عجل للہ فرجہ الشریف کے انصار پیدا کرنا ہے یہی دینِ نصرت واقعہ کربلا اور دور غیبت میں بھی نافذ ہے اور بعد از خروج بھی رائج رہے گا۔

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ مظلومین کا انتقام اگر تشنہ پڑا ہے تو اس کی واحد وجہ قلت ناصرین ہے اس لئے انصار پیدا کرنا لازم ہے تا کہ حکومت الھیہ کا قیام جلدی ہو جائے اور محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کی ابدی حکومت اور ابدی مسرتوں کا قیام جلدی ہو جائے۔

شعبہ ہائے نصرت

دوستو! اب ہم اس بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اس دور میں داخل ہوتے ہیں کہ جس میں ہم موجود ہیں۔

دیکھئے اس دور میں نصرتِ امام علیہ الصلوات والسلام کے 114 شعبوں میں سے چار شعبے انتہائی اہم ہیں یا یوں سمجھ لیں کہ یہ چار شعبے سب سے بڑے ہیں جو بنیادی اہمیت کے حامل ہیں کہ جن میں ہمیں کام کرنا ہے۔

(1) فرد کی تعمیر یعنی اپنی ذات کی پیوری فکیشن (Purification) اور حکم امام کا ذات پر کلی نفاذ

(2) سابقہ کو مین ٹین (Maintain) رکھنا یعنی جو انصار میسر ہیں یا عزادار میسر ہیں ان کے شعور کو بیدار کرنا اور جن میں شعور بیدار ہو چکا ہے انہیں مین ٹین (Maintain) رکھنا۔

(3) توسیع و تجمیع کرنا یعنی انصار کی تعداد میں اضافہ کرنا اور ناصرین میں اضافہ کرنا کیونکہ توسیع انصار کا اس دور میں واحد ذریعہ عزا و دعا ہے اس لئے ان دو چیزوں کی ترویج و ترقی میں کوشاں رہنا۔

(4)نصرت امامؑ اور روحانی ترقی کے نئے نئے افق تلاش کرنا اور نئے ذرائع دریافت کر کے انہیں بروئے کار لانا۔

اس دور کے روحانی انسان کی بنیادی طور پر یہی چار ذمہ داریاں ہیں جن سے اسے عہدہ براہونا لازم ہے

(1)سب سے پہلے اپنی ذات کی روحانیت کو مضبوط سے مضبوط کرے اور انفرادی ترقی سے کبھی غافل نہ رہے کسی بھی مقام کو اپنا آخری مقام نہ سمجھے بلکہ یہ سمجھے کہ ہر درجہ اس کی منزل کا ایک مرحلہ ہے منزل نہیں ہے اس لئے لازمی ہے کہ روحانیاتی ترقی کے مراحل میں کہیں بھی ستانے نہ بیٹھ جائے کیونکہ جو وقت وہ ستانے میں گزارے گا اس وقت میں وہ کئی منازل آگے جا سکتا ہے۔

(2)اس دور کے روحانی انسان کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ غیر مومنین و غیر ناصرین کو مومنین و ناصرین میں شامل کرے یعنی غیر مومنین کو مومنین میں شامل کرے اور مومنین کو روحانی راستوں پر لا کر ناصرین میں شامل کرے۔

(3)ترویج عزاداری کرے یعنی عزا و دعا کو ملا کر اس کی ترویج کرے۔

(4)اس کے بعد عملی نصرت کا مرحلہ آتا ہے۔

دوستو! عزاداری کیونکہ تجمیع انصار کا ذریعہ ہے اس لئے اس کے بھی چار مراحل ہیں

(1)عزاداری سے مظلومیت کا پرچار ہوتا ہے۔

(2)ذکر مظلوم اور مظلومیت کے پرچار سے مظلوم سے ہمدردی جنم لیتی ہے۔

(3)مظلوم کی ہمدردی سے مظلوم کی بحالی اور قیام عدل کی خواہش اور تمنا پیدا ہوتی ہے۔

(4)اس کے بعد عملی نصرت شروع ہو جاتی ہے۔

دوستو! مظلوم کی بحالی اور قیام عدل کی تمنا کارد عمل دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

انتقام اور مظلومین کی بحالی کی دعا کی صورت میں اس کارد عمل ظاہر ہوتا ہے اور انسان اللهم عجل فرج آل محمد علیهم الصلوات و السلام بھی کہنا شروع کر دیتا ہے اس کے آگے عملی نصرت کا میدان آ جاتا ہے کہ جہاں انسان یا لیتنی کنت معکم کہنا شروع کر دیتا ہے اور ساتھ ہی و جعلني من انصاره و اعوانه اور و جعلني من المستشهد بین یدیک بھی کہنا شروع کر دیتا ہے اور یہ ارتقا کے چار مراحل ہیں اس کے بعد عملی نصرت کا میدان ہے کہ انسان کس طرح نصرت امام علیہ الصلوات و اسلام کر سکتا ہے اور نصرت کے کون کون سے ذرائع ہیں۔

مقاصد نصرت

دوستو! یہ بات بھی یادرکھنا چاہیے کہ مقاصدِ نصرت کے بنیادی طور پر دو حوالے ہوتے ہیں

(1) ظالمین سے انتقام اور حکومت ظالمین کا خاتمہ

(2) مظلومین کی بحالی

دوستو! مظلومین کی بحالی کے آگے دو حصے ہوتے ہیں

(1) انفرادی طور پر مظلومین علیہم الصلوات والسلام کے گھر میں ابدی مسرتوں کا قیام ان کی خانہ آبادی اور مظلوموں کے غموں کا ازالہ۔۔

(2) مظلومین علیہم اصلوات والسلام کی قربانیوں کے مقصد اعلیٰ کی آفاقی تحمیل کیونکہ مقصد اعلی حکومت الہیہ کا قیام ہے اس لئے مظلومین کی بحالی دراصل حکومت الہیہ ہی کے قیام میں مضمر ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومت الہیہ کا قیام فرد سے کائنات کی طرف جاتا ہے اور ایک ناصر کیلیئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ حکومت الہیہ کا قیام سب سے پہلے اپنی ذات پر کرے کیونکہ ایک ناصر کا مقصد حیات حکومت الہیہ کا قیام ہوتا ہے یعنی وہ چاہتا ہے کہ پوری دنیا پر اللہ جل جلالہ کا قانون و حکم نافذ ہو جائے اس لئے اس مقصد کے حصول کے ناصر کیلیئے واجب ہو جاتا ہے کہ وہ احکام الہی کا سب سے پہلے نفاذ اپنی ذات پر کرے کیونکہ ذات سے شروع ہونے والا عمل افراد سے معاشرے اور معاشرے سے انسانیتِ موجود تک

سفر کرتا ہے اس لئے اس کی پہلی اکائی فرد ہوتا ہے یعنی انسان کی اپنی ذات ہوتی ہے اور یہ بھی یادرہے کہ ایک انسان جب اوامر ونواہی کی پابندی کررہاہوتا ہے تو یہ بھی ایک طرح کی نصرت امام علیہ الصلوات والسلام ہوتی ہے کیونکہ اس سے انسان "حکم" کے نفاذ میں امام زمان علیہ الصلوات والسلام کی نصرت کررہا ہوتا ہے چاہے وہ اپنی ذات ہی کی حد تک کیوں نہ ہو جب اس طرح نصرت کا عمل شروع ہوتا ہے تو اسی فرد سے یہ عمل ایک سوسائٹی میں بدلتا ہے۔ پھر یہ عمل ایک آفاقی قانون یا گلوبل رول(Global Rule) میں بدل جاتا ہے۔

عزاداری میں دعائے تعجیل فرج کو واجب سمجھنا چاہیے اور دوران مصائب اس مظلوم علیہ الصلوات کے انتقام کی دعا کرنی چاہئے جن کا ذکر مصائب شروع ہو۔۔۔

آؤ ہم بھی دعا کریں کہ ان مظلومینؑ کے وارث و منتقم جلدی تشریف لائیں اور ان سب کا انتقام جلدی ہو۔

"اہمیتِ عزا اور عزادار"

1:وعن كعب الأحبار .....ولو لا بقية من ذريته وطائفة من شيعته الذين يطلبون بدمه ويأخذون بثأره لصب الله عليهم نارا من السماء أحرقت الأرض ومن عليها

ترجمہ: کعب الأحبارؒ سے روایت ہے۔۔۔ اگر مولا امام حسینؑ کے ماننے والے چند افراد نے نہ بچنا ہوتا۔ اور اگر انہی نے مولا امام حسینؑ کا انتقام نہ لینا ہوتا اور انؑ کی عزاداری نہ کرنی ہوتی تو اللہ آسمان سے آگ نازل کر کے کرہِ ارض کو جلا ڈالتا۔ [1،2،3]

2: ان إبليس لعنه الله في ذلك اليوم يطير فرحا فيجول الأرض كلها بشياطينه وعفاريته، فيقول: يا معاشر الشياطين قد أدركنا من ذرية ادم الطلبة وبلغنا في هلاكهم الغاية وأورثناهم النار الا من اعتصم بهذه العصابة، فاجعلوا شغلكم بتشكيك الناس فيهم وحملهم على عداوتهم واغرائهم بهم وأوليائهم حتى تستحكم ضلالة الخلق وكفرهم ولا ينجو منهم ناج،

---

[1] المنتخب للطريحي، الشيخ فخر الدين الطريحي النجفي، جلد 1، صفحہ 52

[2] بحار الأنوار، ط۔ دار الاحياء التراث، العلامة المجلسي، جلد 45، صفحہ 315

[3] الأنوار الحسينية والشعائر الإسلامية، كاشف الغطاء، الشيخ عبد الرضا، صفحہ 20

ترجمہ: امام سجادؑ فرماتے ہیں ابلیس اس پر خدا کی لعنت ہو اس نے روز عاشورہ خوشی سے پرواز کرتے ہوئے تمام زمین کے چکر لگائے اور اپنے چیلوں اور شیاطین عفریت کو اپنے پاس بلایا اور ان سے یہ کہتا ہے کہ اے گروہ شیاطین انس و جن میں نے اپنا بدلہ آدم کی اولاد سے لے لیا اور ان کی ہلاکت کو جس کی میری نہایت آرزو تھی اس کو پالیا اور جہنم کو ان کے نصیب میں مقدر کر دیا، سوائے ان لوگوں کے جو اس مصیبت پر گریہ کرتے ہیں اور محمدؐ و آل محمدؐ کی دوستی پر باقی ہیں لہذا تم ان کے دلوں میں شک و شبہ ڈالنے کی کوشش کرو اور ان کو انؑ کی دشمنی کی ترغیب و تشویق کرو تا کہ اس وجہ سے ان لوگوں کی گمراہی مسلماً ثابت ہو جائے اور کوئی ان کو نجات دینے والا ان تک نہ پہنچے۔[21]

3:عن معاوية بن وهب قال: دخلت على أبي عبد الله عليه السلام وهو في مصلاه فجلست حتى قضى صلاته فسمعته وهو يناجي ربه فيقول:

يا من خصنا بالكرامة ووعدنا الشفاعة وحملنا الرسالة وجعلنا ورثة الأنبياء وختم بنا الأمم السالفة وخصنا بالوصية وأعطانا علم ما مضى وعلم ما بقي وجعل أفئدة من الناس تهوى إلينا، اغفر لي ولإخواني وزوار قبر أبي عبد الله الحسين بن علي عليهما السلام الذين أنفقوا أموالهم وأشخصوا أبدانهم رغبة في برنا ورجاء لما عندك في صلتنا وسرورا أدخلوه على نبيك محمد

---

[1] کامل الزیارات صفحہ 266 نشر دار المرتضویہ

[2] کتاب ان الحسینؑ مصباح الہدیٰ وسفینتہ النجاۃ صفحہ 201

صلى الله عليه وآله وإجابة منهم لأمرنا وغيظا أدخلوه على عدونا، أرادوا بذلك رضوانك فكافهم عنا بالرضوان وأكلأهم بالليل والنهار واخلف على أهاليهم وأولادهم الذين خلفوا بأحسن الخلف واصحبهم واكفهم شر كل جبار عنيد وكل ضعيف من خلقك وشديد، وشر شياطين الإنس والجن وأعطهم أفضل ما أملوا منك في غربتهم عن أوطانهم وما أثروا على أبنائهم وأبدانهم وأهاليهم وقراباتهم، اللهم ان أعدائنا أعابوا عليهم خروجهم فلم ينههم ذلك عن النهوض والشخوص إلينا خلافا عليهم، فارحم تلك الوجوه التي غيرتها الشمس وأرحم تلك الخدود التي تقلبت على قبر أبي عبد الله الحسين عليه السلام وارحم تلك العيون التي جرت دموعها رحمة لنا وارحم تلك القلوب التي جزعت واحترقت لنا وارحم تلك الصرخة التي كانت لنا، اللهم إني أستودعك تلك الأنفس وتلك الأبدان حتى ترويهم من الحوض يوم العطش، فما زال صلوات الله عليه يدعو بهذا الدعاء وهو ساجد فلما انصرف قلت له جعلت فداك لو أن هذا الذي سمعته منك كان لمن ليعرف الله لظننت ان النار لا تطعم منه شيئا أبدا، والله لقد تمنيت ان كنت زرته ولم أحج

ترجمہ: معاویہ بن ابی وہب کہتا ہے کہ میں امام صادقؑ کے پاس گیا میں نے دیکھا آپؑ نماز میں مشغول ہیں۔ میں آپ کے پاس بیٹھ گیا تاکہ آپؑ نماز سے فارغ ہو جائیں۔ میں نے سنا وہ خدا سے مناجات کر رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں اے وہ ذات کہ جس نے ہمؑ کو کرامت عطا کی اور جس نے ہمؑ کو شفاعت کا حق دیا

اور رسالت کے پیام کو ہمیںؑ عطا کیا اور ہمؑ کو پیغمبروں کا وارث قرار دیا اور ہمؑ پر گزشتہ امتوں کا اختتام کیا اور ہمؑ کو پیغمبر کی جانشینی اور وصایت کے لئے منتخب کیا۔ علمِ اولین اور آخرین ہمیں عطا کیا اور لوگوں کے دلوں میں ہماریؑ محبت ڈالی۔ خدا مجھؑ پر اور میرے بھائیوںؑ اور امام حسینؑ کی قبر کے زوارؑ کی بخشش فرما اور انؑ کی کہ جو ہماریؑ محبت اور تیرے پیغمبر کی خوشی کی خاطر اور ہمارےؑ حکم کو قبول کرتے ہوئے اور ہمارےؑ دشمنوں سے نفرت اور ان سے برأت کرتے ہوئے اپنا مال انفاق کرتے ہیں اور ہماریؑ طرف آتے ہیں اور اس طرف آنے اور اس انفاق کرنے سے تیری رضاعت طلب کرتے ہیں بس تو انؑ کو ہماریؑ خاطر بہترین اجر و ثواب عطا فرما ان کو دن اور رات میں اپنی امان میں رکھا اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے اہل و عیال کی حفاظت فرما اور اس کے ساتھ ہو اور ان کو ہر شر جن و انس سے محفوظ رکھ اور یہ جو اپنے وطن اور اپنے اہل و عیال سے جدا ہو کر ہماریؑ خاطر اس سفر پر آئے ان کو بہترین اجر و ثواب اور ان کی آرزو اور دعا کہ جو اپنی اولاد اور اپنے اہل و اقارب کے لئے اس کو قبول فرما۔ خدایا ہمارےؑ دشمن جنہوں نے اس سفر پر آنے سے انؑ پر جو طعنے اور انؑ پر اعتراض کرتے ہیں اس کے باوجود بھی انؑ کو اس سفر سے منصرف نہیں کر پاتے بس خدا ان چہروں پر کہ جو سورج کی تپش اور دھوپ سے سیاہ اور سرخ ہو گئے، ان چہروں پر اپنی رحمت فرما اور ان رخساروں پر کہ جن کو امام حسینؑ کی ضریح سے مس کرتے ہیں ان پر اپنی رحمت نازل کر اور ان آنکھوں پر کہ جو ہمارےؑ غم اور مصیبت پر آنسو بہائیں ان پر رحم فرما اور وہ دل جو ہمارےؑ مصائب کو سن کر غم زدہ اور مضطرب اور جو ہمارےؑ لئے فریاد کرتے ہیں ان پر رحم فرما۔ خدایا ان کی جان اور جسموں کو تیری امان میں دیتا ہوں تا کہ قیامت میں ان کی پیاس کے عالم میں ان کو حوض کوثر

سے سیراب کرنا۔ امامؑ مسلسل سجدے میں یہ دعا کر رہے تھے اور جب آپؑ اپنی دعا سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کی کہ مولاؑ میں آپ پر قربان جاؤں، اگر یہ دعا اور گفتگو جو آپؑ سے سنی اگر کسی ایسے شخص کیلئے بھی ہوتی کہ جو خدا کی معرفت نہیں رکھتا تب بھی میں یہ گمان کرتا کہ جہنم کی آگ اس کے کسی اعضاء کو نہ چھوئے گی، خدا کی قسم میں یہ تمنا کرتا ہوں کہ کاش حج پر نہ جاتا بلکہ زیارت امام حسینؑ کو گیا ہوتا

[21]------

بے نیاز ذواتؑ

حدثنا محمد بن هارون عن أبي الحسن موسى عن موسى بن القاسم عن علي بن النعمان عن محمد بن شريح قال قال لي أبو عبد الله عليه السلام لولا أن الله فرض ولايتنا ومودتنا وقرابتنا ما أدخلناكم ولا أوقفناكم على بابنا فوالله ما نقول بأهوائنا ولا نقول برأينا ولا نقول الا ما قال ربنا[3]

ترجمہ: محمد بن شریح روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام ابو عبد اللہؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ کی قسم! اگر ہماریؑ ولایت اور مودت اور قرابت اللہ نے فرض نہ کی ہوتی تو ہمؑ تمہیں اپنے گھروں میں نا داخل کرتے

---

[1] کتاب ان الحسینؑ مصباح الہدیٰ و سفینتہ النجاۃ صفحہ 194

[2] ثواب الاعمال، شیخ صدوق صفحہ 95

[3] بصائر الدرجات الکبری جلد 2 باب 14 حدیث 5 صفحہ 103

اور اپنے دروازوں پر کھڑے بھی نہ ہونے دیتے۔ اللہ کی قسم! ہم اپنی خواہشات اور اپنی رائے سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارا رب کہتا ہے۔

حوالہ جات

کتاب	مؤلف
تفسیر نسیم رحمت	اکبر دھقان
کتاب محبت	محمدی رائے شہری
میزان الحکمت	محمدی رائے شہری
اصولِ کافی	یعقوب کلینی
القطرہ من بحار	سید احمد المستنبط
بحار الانوار	علامہ مجلسی
فردوس الاخبار	شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمي
الامالی	شیخ صدوق
البکا الحسین	القائم ویلفیر کراچی
کشف المودۃ	سید باقر نثار زیدی
کامل الزیارات	جعفر بن محمد بن قولویہ
مقتل خطی بشارت الباکین	حسین بن عبدالرزاق تبریزی
البرهان فی تفسیر القرآن	العلامۃ السید هاشم البحراني

مستدرك الوسائل و مستبط المسائل	میرزا حسین النوري الطبرسي
أهل البيت في الكتاب والسنة	محمدی راے شہری
تاریخ مدینہ دمشق	ابو القاسم ابن عساکر دمشقی
تفسیر احسن التعبیر	سید محمد احسن زیدی
الفاروق	شبلی نعمانی
اسرار الفاطمیہ	شیخ محمد فاضل مسعودي
حیاتِ طیبہ سیدہ عالمین	سید ضمیر اختر نقوی
ربیع الابرار	ابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری
خواص الامہ	مسبط ابن جوزی
فدك قانون کی روشنی میں	سید ضمیر اختر نقوی
شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید
غایتہ المرام	سید ہاشم البحرانی
موسوعہ شهادة المعصومین	لجنة الحديث في معهد باقر العلوم
نہج الاسرار	سید غلام حسین رضا
بہلول یگانہ	سیدہ عابدہ نرجس
دمعہ المومنین فی مودة المظلومین ؐ	سید احسن عباس الحسینی گیلانی
عزاداری سید الشہدا معصومین کی نظر میں	سہیل بخاری

مقتل بحر المصائب وكنز الغرائب	للشيخ محمّد جعفر بن سلطان احمد بن علي بن حسن التبريزي.
اكمال الدين بولايته امير المومنين	سيد نثار عباس نقوی
إحقاق الحق و إزهاق الباطل	القاضي نور الله
عاشورا ريشه ها، انگيزه‌ها، رويدادها، پيامدها	مكارم شيرازی
معالی السبطين	الشيخ محمد مهدي الحائري
ينابيع المودة لذو القربي	سليمان بن ابراهيم
مناقبِ ابن شهر آشوب	مناقبِ ابن شهر آشوب
خطيبِ كعبه	استاد علی اصغر يونسياں
لواعج الاشجان فی مقتل الحسين ؑ	الشيخ محسن الامين العاملی
معالم المدرستين	السيد مرتضى العسكري
احكام عاشورا	سيد محمد صادق روحانی
بلاغت الحسين ؑ	السيد مصطفي الموسوي
بصائر الدرجات	محمد بن الحسن الصفار القمر
تفسير العياشی	محمد بن مسعود العياشي
تفسير القمی	علي بن إبراهيم **القمي**
تاويل الايات	شرف الدين الحسيني

انتصارِ ولایتِ عصر	سید جعفر الزمان نقوی
تفسیر نور الثقلین	الشیخ الحویزي
امالی طوسی	شیخ طوسی
محب اهل بیت کون ؟	شیخ صدوق
غرر الحکم	ابو الفتح آمدی
تحریر المواعظ العددیه	علی مشکینی
بحر المعارف	عبدالصمد هَمِدانی
الولایة التکوینیة لآل محمد	السید علي عاشور
جامع السعادات	محمد مهدی النراقیي
کلمات مکنونه	محسن فیض کاشانی
الخصال	شیخ صدوق
بشارة المصطفی لشیعه المرتضی	جعفر محمد بن علی بن رستم طبری
کنزالاعمال	المتقي الهندي
مناقب الحق	محمد بن حصین بن حسین توبلی
کلمه عشق	سید محسن ذبیحی
روضه الواعظین	محمد بن الفتال
نفس الرحمن في فضائل سلمان	میرزا حسین النوري الطبرسي
زهر الربیع	السید نعمة الله الموسوی الجزائری

اسرار خاك شفا	غضنفر عباس تونسوی
مصابیح الدجی	حسین الشیخ صالح
کتاب الانوار الساطعه في شرح الزیاره الجامعه	جواد بن عباس کربلائ
احادیث فعلاًبی سند	سید محسن ذبیحی
من لا یحضر الفقیه	شیخ صدوق
فضائل شیعه	شیخ صدوق
مستدرك الوسائل و مستنبط المسائل	الحاج میرزا حسین النوري الطبرسي
تفسیر فرات	فرات بن إبراهیم الکوفي
معانی الاخبار	شیخ صدوق
وسائل الشیعه الي تحصیل مسائل الشریعه	الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملي
مستدرك سفینة البحار	الشیخ علي النمازي الشاهرودي
مجالس المنتظرین	سید جعفر الزمان نقوی
مسند احمد	احمد بن حنبل
مکارم الاخلاق	شیخ طبرسی
مشارق الانوار الیقین	حافظ رجب البرسی
انوار الولایت	سید عمران حیدر کاظمی
حقیقتِ بسم الله	علامه غضنفر عباس تونسوی

تاريخ الطبري	محمد بن جرير الطبري
البداية و النهاية	ابن كثير الدمشقي
المنتخب للطريحي	الشيخ فخر الدين الطريحي النجفي
الأنوار الحسينية و الشعائر الإسلامية	كاشف الغطاء، الشيخ عبد الرضا
كتاب ان الحسين مصباح الهدیٰ و سفينته النجاة	شيخ وحيد الخراسانی
ثواب الاعمال	شيخ صدوق
العبرة الساكته	ام جعفر دهينی
محسن عالم	عديم نقوی
دينِ نصرت	سيد جعفر الزمان نقوی
معجزاتِ آلِ محمد (مدينته المعاجز)	سيد ہاشم البحرانی
البكا للحسين	سيد محمد حسن طباطبائی ميرجهانی

یہ کتاب "عرفانِ عزا" آج بتاریخ 26 جنوری 2023 مطابق 3 رجب بروز جمعرات بوقت 10 بجے رات بتوفیقِ سیدہؑ وبتائید وامدادِ امام زمانہ عجل اللہ تعالی فرج پایہ تکمیل کو پہنچی۔